مسنونِ نکاح

اور

شادی بیاہ کی رسومات







بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین



عرضِ ناشر

زیرِنظر کتاب حافظ صلاح الدین یوسف ﷾ کی ایک نہایت اہم کتاب ہے جو دراصل کئی مضامین کا مجموعہ اور نہایت اہم سوالات کا حل ہے۔ ان سب کا موضوع شادی بیاہ کے رسوم و رواج اور اس سلسلے میں نام نہاد مسلمانوں کا وہ کردار ہے جو اس موقع پر عمومی طور پر دیکھنے میں آتا ہے۔

اس کتاب میں تصویر کے دونوں رخ اور حقیقت کے دونوں پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے۔ ایک رخ اور پہلو وہ ہے جس میں لوگ بالعموم مبتلا ہیں کہ وہ شادی بیاہ کی تمام جاہلانہ رسومات و خرافات کو ضروری سمجھتے یا کم از کم ان کا ارتکاب ضرور کرتے ہیں۔ دوسرا رخ اور پہلو وہ ہے جس کا مطالبہ ہمارا مذہب - اسلام - کرتا ہے اور جو دین و دنیا کی سعادت و فلاح کا راستہ ہے۔

اس کتاب میں ترغیب دی گئی ہے کہ مسلمان یہی دوسرا راستہ اختیار کریں اور پہلا طریقہ چھوڑ دیں جو سراسر تباہی و بربادی کا راستہ ہے۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ لوگ سنجیدگی اور توجہ سے نہ صرف خود اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں' بلکہ دوست احباب اور خاندان و برادری کے ہر فرد تک اسے ضرور پہنچائیں' بلکہ اس میں پیش کی گئی فکر اور نظریے کو ایک تحریک کی شکل دیں' اس کے لیے محنت کریں اور لوگوں کے سامنے عملی نمونے پیش کریں۔

اس لیے کہ رسوم و رواج کا یہ طوفان اتنا خطرناک اور ہمہ گیر ہے کہ اس سے بچنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس سیلاب کی شدت روز افزوں ہے جس میں لوگ تنکے کی طرح بہتے چلے جا رہے ہیں اور یہ بادِ سموم کا ایسا جھکڑ ہے جس کی موجودگی میں حق کی شمع کا فروزاں ہونا اور رہنا بہت مشکل ہے۔

یہ الم ناک صورت حال' اہل دین کے لیے نہایت تشویش واضطراب کا باعث ہے۔
یہ کتاب اسی تشویش و اضطراب کا اظہار اور دعوتِ غور وفکر ہے۔ اللہ کرے کہ اس کے ذریعے سے کم ازکم دینی حلقوں میں اضطراب وفکر کی ایک لہر پیدا ہو اور یہ ایک تحریک و جذبے کی شکل اختیار کرے۔ جب تک ایسا نہیں ہوگا' تباہی کی طرف بڑھتے ہوئے قدموں کا رکنا محال ہے۔

یہ کتاب ایک مُتَزَوِّج (شادی کرنے والے) کی بھی ضرورت ہے اور مُتَزَوَّج (شادی شدہ) کی بھی' ایک عام آدمی کی ضرورت بھی ہے اور خاص آدمی کی بھی۔ ایک مرد کی ضرورت بھی ہے اور ایک عورت کی بھی۔ ایک باپ کی ضرورت بھی ہے اور ایک بیٹے کی بھی۔ ایک ماں کی ضرورت بھی ہے اور ایک بیٹی کی بھی۔ ایک حکمران کی ضرورت بھی ہے اور رعایا کی بھی۔ ایک عالم دین کی ضرورت بھی ہے اور ایک غیر عالم کی بھی۔

برصغیر پاک و ہند یعنی متحدہ ہند میں جب عمل بالحدیث کی تحریک کو فروغ ملا' تو اس تحریک کی بدولت جہاں بہت سی احادیث کا احیاء ہوا' تقلید و جمود کے بندھن ڈھیلے ہوئے' وہاں رسوم و رواج کی بیڑیاں بھی ٹوٹیں اور بہت سی جاہلانہ رسومات کا خاتمہ ہوا۔ آج پھر اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمان اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے رسومات کے بڑھتے ہوئے طوفان کے آگے بند باندھیں اور اپنے اسلاف کی روایات کو زندہ کریں۔ اللہ کرے کہ دارالسلام کی یہ کاوش تحریک انسدادِ رسوم کا نقطہ آغاز بن سکے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز.

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر : دارالسلام' الریاض-لاہور

ربیع الثانی ١٤٢٤ھ / جون 2003ء

مکتوبِ گرامی

شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ

اس کتاب میں سوالوں کے جواب میں شادی بیاہ کی رسومات پر جو مضمون شامل ہے' وہ جب ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور میں شائع ہوا تھا' تو اسے پڑھ کر فضیلۃ الشیخ حضرت نور پوری صاحب نے 500 درہم کے وزن کے بارے میں راقم کی غلطی کی تصحیح کرتے ہوئے ذیل کا مکتوبِ گرامی تحریر فرمایا۔(ص-ی)

از عبدالمنان نور پوری' بطرف جناب مکرم ومحترم
حافظ صلاح الدین یوسف صاحب

محترم و معظم' حفظهما الله الذی علّم بالقلم' علم الانسان مالم یعلم. السلام علیکم ورحمة الله و برکاته . اما بعد :

خیریت موجود عافیت مطلوب۔آپ کا مایۂ ناز مقالہ ''کچھ شادی بیاہ کی رسومات کے بارے میں۔'' نظر سے گزرا جو مؤقر جریدہ ''الاعتصام'' جلد 54' شمارہ 28' جمادی الاولیٰ ۱٤۲۳ھ میں شائع ہوا ہے۔اوّل سے آخر تک بغور پڑھا' دل کی گہرائیوں سے دعا نکلی۔اللّٰھم زد فزد و اعداءَ اخینا فکد . آمین یا رب العالمین.

عبدالمنان عبدالحق
سرفراز کالونی' گوجرانوالہ

۱٤ - ٤ - ۱٤۲۳ھ

عرضِ مؤلف

گزارش احوال واقعی

یہ کتاب چند مضامین پر مشتمل ہے۔ پہلا مضمون خطبہ ٔ نکاح ' اس کا ترجمہ اور تشریح کے علاوہ چند ایسی آیات و احادیث پر مشتمل ہے جو ازدواجی زندگی کی کامیابی کے لیے اصولی رہنمائی پر مبنی ہیں۔ دوسرا مضمون شادی بیاہ کی رسومات کے بارے چند سوالوں کے جواب میں تحریر کیا گیا تھا' ایک نوجوان نے یہ سوالات مختلف علماء سے کیے تھے' جن میں یہ راقم بھی شامل ہے۔ راقم نے عدیم الفرصتی اور ہجوم کار کے باوجود سوالات کی اہمیت کے پیش نظر' ان کا جواب دینا ضروری سمجھا اور یوں ایک اور مضمون تیار ہو گیا۔ تیسرا مضمون وفاقی شرعی عدالت کے سوال کے جواب میں تحریر کیا گیا تھا۔ اور یہ اس وقت کی بات ہے جب شادی آرڈی ننس نافذ تھا' تو شرعی عدالت میں اسے چیلنج کیا گیا تھا کہ یہ آرڈی ننس خلاف اسلام ہے' اس لیے اسے ختم کیا جائے۔ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے معمول کے مطابق اس کے بارے میں عدالت کے مشیران فقہ سے استفسار کیا کہ وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس آرڈی ننس کے بارے میں اپنی رائے دیں کہ کیا یہ واقعی اسلام کے خلاف ہے یا اس میں اسلامی روح کارفرما ہے؟

راقم نے اپنے جواب میں مذکورہ شادی آرڈی ننس کو اسلامی روح کے مطابق قرار دے کر اسے برقرار رکھنے کی تائید کی۔ لیکن ابھی شرعی عدالت میں اس پر باقاعدہ بحث ہونی باقی تھی' جہاں فریقین (آرڈی ننس کے حامی اور مخالفین) نے اپنے اپنے دلائل

فاضل عدالت میں پیش کرنے تھے تاکہ اس کی روشنی میں اس کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کا فیصلہ کیا جاسکے۔ مگر اس مرحلے سے پہلے ہی سپریم کورٹ نے اپنے ایک فیصلے میں اس آرڈی ننس کے خلاف فیصلہ دے کر اسے کالعدم کردیا اور شرعی عدالت کو اس کی بابت فیصلہ کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

ہمیں نہیں معلوم کہ ہماری عدالت عالیہ نے اس آرڈی ننس کی بابت فیصلہ کرنے میں اتنی عجلت اور پھرتی کیوں دکھائی؟ جب کہ اس کے علم میں یہ بات یقیناً ہوگی کہ شرعی عدالت میں بھی یہ معاملہ زیرِ غور ہے اور اس کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کی بابت زیادہ بہتر فورم شرعی عدالت ہی تھا۔ ہم اس پر اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں:

رموز مملکت خویش خسرواں دانند

بہرحال:

آں قدح بہ شکست وآں ساقی نہ ماند

اب یہ مسئلہ بظاہر ختم ہوگیا ہے' لیکن مذکورہ عدالتی فیصلے کو چونکہ عوام نے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا تھا' اس لیے موجودہ نئی حکومت نے عوام کے مطالبے پر اس معاملے میں نئے سرے سے قانون سازی کرکے عوام کو وہ ریلیف (سہارا) مہیا کردیا ہے جو کالعدم آرڈی ننس نے ان کو مہیا کیا ہوا تھا لیکن فاضل ججوں کی قانونی چابک دستی اور دماغی نکتہ رسی نے ان کو اس سے محروم کردیا تھا۔ اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ ہم اپنی اس رائے کو شائع کردیں جو شرعی عدالت میں بحث و گفتگو کے لیے ہم نے لکھی تھی تاکہ نئے قانون کو شرعی بنیاد بھی مہیا ہوجائے جس سے عوام کو دوبارہ وہ سہولت حاصل ہوگئی ہے جس سے وہ محروم ہوگئے تھے حالانکہ شرعاً اس سہولت کی گنجائش موجود تھی۔

ایک فتویٰ برات کی شرعی حیثیت پر ہے جو 1987ء میں ایک استفتاء کے جواب

میں تحریر کیا گیا تھا' اسے بھی شادی بیاہ کی رسومات والے مضمون میں شامل کر دیا گیا ہے۔

ایک مضمون روزنامہ ''جنگ'' کے سنڈے میگزین سے لے کر اس میں شامل کیا گیا ہے جس میں ان فضول رسومات کی تفصیل ہے جو شریعت کے خلاف ہیں۔

ان تمام مضامین کا موضوع' شادی بیاہ کی وہ رسومات ہیں جن سے ہر شخص (سوائے دولتیوں کے ایک محدود طبقے کے) مضطرب اور پریشان ہے۔ لیکن ایمان کی کمزوری' قوت ارادی کے فقدان اور بعض دیگر عوامل کی وجہ سے ان رسومات و خرافات سے انحراف و گریز کی جسارت کوئی نہیں کرتا' الا ماشاء اللہ۔ اگرچہ علماء ان کے خلاف اپنی آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔ لیکن' کون سنتا ہے فغان درویش؟ کے مصداق ان کی آواز صدائے صحراء اور طوطی کی مہین سی آواز سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

ایک مضمون موسیقی کی حرمت پر ہے جو ایک گلوکار کے اس چیلنج کے جواب میں تحریر کیا گیا تھا کہ علمائے اسلام اس کی حرمت ثابت نہیں کر سکتے۔ چونکہ گانا بجانا اور اب میوزیکل شو وغیرہ قسم کی خرافات اور صریحاً بے حیائی پر مبنی اس قسم کے پروگرام بھی شادی بیاہ کے موقع پر فروغ پذیر ہیں' اس لیے اسے بھی کتاب کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔

راقم کا تعلق بھی طبقہ علماء ہی سے ہے اور اللہ کی توفیق سے منبر و محراب کے ذریعے سے یہ فریضہ تبلیغ اور حق نصیحت ادا کرتا رہتا ہے۔ اب ان مضامین کے ذریعے سے بھی وہ قوم کو متنبہ کر رہا ہے کہ تمہارے آگے چند قدم ہی پر تباہی و بربادی کا کنواں ہے' اس میں گر کر ہمیشہ کی تباہی و بربادی کا مقدر بننے سے اپنے آپ کو بچالو۔

راقم نے کوشش کی کہ یہ مضامین کسی قومی روزنامے میں شائع ہو جائیں اور ''روزنامہ جنگ'' کے سینئر ترین کالم نگار جناب ارشاد احمد حقانی کے نام یہ ارسال بھی کیے تا کہ وہ انہیں اپنے کالم میں یا کسی اور جگہ شائع کر دیں۔ لیکن ہمارے قومی روزناموں میں اب قوم

کی اصلاح کے لیے لکھے گئے مضامین کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے' کیونکہ انہوں نے فلمی ستاروں کے ہیجان خیز پوز' ان کے ناز و ادا پر مبنی مواد اور قوم کو حیا باختہ بنانے والے فیچر اور تصاویر بتاں شائع کر کے روٹی کمانی ہے:

روٹی تو کما کھائے کسی طور مچھندر

بہر حال اب مذکورہ مضامین اور دیگر مفید مواد اس کتاب کی شکل میں قارئین کرام کے سامنے ہے۔ اللہ کرے کہ قوم کے اندر اصلاح کا جذبہ پیدا ہو اور وہ ان زنجیروں اور بیڑیوں کو اتار پھینکے جس نے انہیں دین و دنیا کے خسارے میں مبتلا کر رکھا ہے۔ کاش وہ شعور کی آنکھیں کھولے اور ذلت و ادبار کی اس کھائی کو دیکھے جس کے کنارے پر وہ کھڑی ہے اور بے دینی و بے حیائی کے اس طوفان کے خلاف نبرد آزما ہونے کا حوصلہ اس کے اندر پیدا ہو جو ان کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے:

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ''پاکستاں'' والو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

صلاح الدین یوسف

مدیر : شعبہ تحقیق وتصنیف وترجمہ دارالسلام' لاہور۔

124/40 شاداب کالونی' گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور۔
فون (گھر) : 6316931
ربیع الثانی ١٤٢٤ھ - جون 2003ء



-۱-

خطبۂ نکاح اور اس کا ترجمہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

(أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ) ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾﴾ - ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿١﴾﴾ - ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَقُولُوا۟ قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَٰلَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾﴾ (صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، ح:٨٦٨، وسنن أبي داود، ح:٢١١٨ وسنن ابن ماجه، ح:١٨٩٢ وسنن النسائي، باب ما يستحب في الكلام عند النكاح، ح:٣٢٧٩، والدارمي، النكاح، باب في خطبة النكاح، ح:٢٢٠٨)

”بلاشبہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں‘ اس سے مدد مانگتے ہیں‘ اور اس سے بخشش طلب کرتے ہیں‘ نیز ہم اپنے نفس کے شر اور اعمال کی خرابی سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ حاصل کرتے ہیں‘ کیونکہ جسے اللہ راہ

دکھائے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ اپنے در سے دھتکار دے اس کے لیے کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ معبود برحق صرف اللہ ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

''حمد وصلوۃ کے بعد' یقیناً تمام باتوں سے بہتر بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور تمام طریقوں سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا ہے اور تمام کاموں سے بدترین کام وہ ہے جو (اللہ کے دین میں) اپنی طرف سے نکالے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔''

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ اور (پھر) اس جان سے اس کی بیوی کو بنایا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں اور انہیں (زمین پر) پھیلایا۔ اللہ سے ڈرتے رہو جس کے ذریعے سے (جس کے نام پر) تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں (کو قطع کرنے) سے ڈرو۔ (بچو) بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔''

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ایسی بات کہو کہ جو محکم (سیدھی اور سچی) ہو۔ اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔''

تنبیہات: بریکٹ والا حصہ' خطبہ حاجت' خطبہ نکاح کا حصہ نہیں ہے بلکہ اسے نبی ﷺ نے خطبہ جمعہ اور عیدین میں پڑھا ہے۔ تاہم روایات میں اسے تشہد کے بعد پڑھنے کا ذکر ہے (ملاحظہ ہو مسند احمد ۳/۳۱۹' صحیح مسلم' حدیث ۸۶۷' خطبة الحاجة' للالبانی ص: ۳۰)

❀ خطبۂ نکاح میں (نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ) کے الفاظ صحیح احادیث میں موجود نہیں ہیں۔

❀ احادیث صحیحہ میں (نَشْهَدُ) جمع کا صیغہ نہیں بلکہ (اَشْهَدُ) واحد کا صیغہ ہے۔

❀ یہ خطبہ نکاح' جمعہ اور عام وعظ وارشاد یا درس وتدریس کے موقع پر پڑھا جاتا ہے۔ اسے خطبۂ حاجت کہتے ہیں اسے پڑھ کر آدمی اپنی حاجت وضرورت بیان کرے۔

خطبۂ نکاح کی مختصر تشریح

(۱) ہر نیک کام کا آغاز اللہ کے نام یا اس کی حمد وثنا سے کرنا مستحب اور پسندیدہ ہے۔ چنانچہ اس خطبۂ حاجت کا آغاز بھی' جسے نکاح کے موقع پر بھی پڑھا جاتا ہے' اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے کیا گیا ہے۔ اس کا فائدہ یہی ہے کہ اس میں اللہ کی مدد شامل ہو جائے' کیونکہ اس کی مدد کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ جب اس کی مدد اور مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا' تو کیا یہ بہتر نہیں کہ انسان اس طریقے سے کام کا آغاز کرے جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ اللہ کی مدد کا طالب ہے؟ ارادتاً اور نیتاً اللہ کی مدد کا طالب ہونا نہایت مستحسن عمل ہے' اسی مستحسن عمل یعنی اللہ کی حمد وثنا سے خطبۂ نکاح کا آغاز کیا جاتا ہے جس سے مقصد اس نہایت اہم موقعے پر اللہ کی مدد کا حصول ہے۔

(۲) دوسری بات' اس خطبے میں توحید ورسالت کی گواہی ہے جس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا' گویا اس اہم موقعے پر ایمان کی تجدید یعنی توحید ورسالت کی گواہی سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ہم مسلمان ہیں' اللہ رسول کو ماننے والے ہیں' ان کے حکموں کے آگے سر اطاعت وتسلیم خم کرنے والے ہیں۔ جب ابتدائے نکاح ہی میں ایک مسلمان اس امر کا اقرار کر لیتا ہے تو پھر اس رسم نکاح سے قبل' یا نکاح کے موقعے پر یا اس کے بعد ایسے رسوم ورواج کے ارتکاب کا کیا جواز رہ جاتا ہے جن کا شریعت میں نہ صرف یہ کہ کوئی وجود نہیں ہے بلکہ وہ شریعت کے یکسر خلاف ہیں۔ جیسے مہندی کی رسم' برات کا تصور' اور برات کے ساتھ بینڈ باجہ' ویڈیو فلم یا تصویر سازی' آتش بازی' بے پردہ عورتوں کا ہجوم' دعوتوں میں انواع واقسام کے کھانوں کی صورت میں اسراف وتبذیر کا کھلم کھلا مظاہرہ۔ اسی طرح

نکاح کے فوراً بعد دولھا دولھن کے ساتھ خاندان کی عورتوں اور مردوں کا بے باکانہ و بے حجابانہ انداز سے بعض رسموں کا ارتکاب‘ وغیرہ۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمارا توحید و رسالت کی گواہی کے ذریعے سے اپنی مسلمانی کا اظہار غیر شعوری طور پر ہوتا ہے‘ ورنہ ہمارا یہ اقرار و اعتراف اگر شعوری طور پر ہو تو اس کے بعد شادی بیاہ کے موقعے پر بالخصوص اور دیگر مواقع پر بالعموم ہم جو کچھ کرتے ہیں‘ اس کی ہم شاید جسارت نہ کریں۔ بہرحال توحید و رسالت کی گواہی کے بعد اس خاص موقعے پر اللہ و رسول کے احکامات سے کھلم کھلا گریز و انحراف ہماری دو عملی اور منافقت کا ایسا مظاہرہ ہے جو اللہ کی سخت ناراضی اور اس کے عتاب و غضب کا باعث ہے۔

﴿ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ ٱللَّهِ أَن تَقُولُوا۟ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝٣ ﴾

(الصف ۶۱/ ۳)

’’اللہ کے ہاں یہ بہت ہی ناراضی کی بات ہے کہ تم کہو کچھ اور کرو کچھ۔‘‘

اگر ہم اللہ کی ناراضی سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی اس روش کی اصلاح کرنی چاہیے اور زندگی کے ہر موڑ پر اس کے حدود و ضوابط کی پابندی اور اس کی تعلیمات کا احترام ملحوظ رکھنا چاہیے۔

(۳) تیسری بات اس خطبے میں یہ بیان کی گئی ہے کہ بہترین بات اللہ کی کتاب اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ یہ گویا مذکورہ شہادت ہی کی وضاحت ہے کہ جب اللہ کو الٰہ واحد تسلیم کر لیا اور محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مان لیا‘ تو اس گواہی دینے والے کے نزدیک کتاب الٰہی سے بہتر کوئی کتاب یعنی اس میں بیان کردہ بات سے بہتر کوئی اور بات نہیں ہونی چاہیے اور محمد ﷺ کے طریقے سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں ہونا چاہیے۔

(۴) چوتھی بات یہ کہی گئی ہے کہ دین میں اپنی طرف سے کسی قسم کا اضافہ کرنا‘ جسے

"اِحـداث فی الدین" یا بدعت کہتے ہیں' دنیا کا بدترین کام ہے۔ یہ بات بھی گزشتہ بات ہی کا تتمہ یا اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ جب ایک مسلمان نے "لاالٰـہ اِلاَّ اللّٰہ مُحمّدٌ رسُولُ اللّٰـہ" کہہ کر اپنے آپ کو اللہ' رسول کی مرضی ومنشا کے تابع کرلیا تو اس کے بعد اس کا کام اتباع کرنا ہے نہ کہ ابتداع (بدعت سازی)۔ بدعت سازی کر کے تو وہ اپنی مسلمانی کی نفی کرتا ہے اور اللہ رسول پر (نعوذ باللہ) تہمت دھرتا ہے' اللہ پر تو وہ تہمت دھرتا ہے کہ وہ (نعوذ باللہ) بھول گیا' ورنہ دین میں یہ یہ باتیں بھی ضرور ہونی چاہیے تھیں' تب ہی تو وہ بدعت ایجاد کرتا اور اپنے زعم باطل کے مطابق دین کی تکمیل کرتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''میں نے دین کو اپنے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر مکمل کر دیا ہے جس کا اعلان بھی اس نے قرآن مجید میں فرمادیا:

﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾ (المائدة ۵/ ۳)

''آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین کے پسند کرلیا۔''

اسی طرح بدعتی' پیغمبر آخرالزمان حضرت محمد ﷺ پر (نعوذ باللہ) خیانت کا الزام عائد کرتا ہے کہ کچھ باتیں شاید آپ ﷺ نے بیان نہیں فرمائیں اور یوں فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں آپ نے کوتاہی برتی یا خیانت سے کام لیا' ورنہ دین میں تو فلاں فلاں کام بھی ہونے چاہیے تھے۔ آپ نے اپنا یوم میلاد نہیں منایا حالانکہ یہ منانا چاہیے تھا۔ آپ نے اپنے کسی بزرگ کا عرس نہیں منایا حالانکہ آپ کو یہ منانا چاہیے تھا یا کم از کم آپ کے بعد آپ کے صحابہ کو آپ کا ''عرس مبارک'' منانا چاہیے تھا۔ مُردوں کی مغفرت کے لیے قرآن خوانی بھی اچھا کام ہی تھا' لیکن آپ نے یہ کام بھی نہیں کیا۔ کھانے پر قرآن پڑھنا

بھی اچھا کام تھا' پتہ نہیں آپ نے کیوں نہیں کیا؟ وعلیٰ ھذا القیاس. دیگر بدعات ہیں جن کو اہل بدعت نماز روزوں سے بھی زیادہ اہم سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نمازوں کی ادائیگی کا ان کے ہاں اتنا اہتمام نہیں ہوتا جتنا بدعات پر زور ہوتا اور ان کو انجام دینے کا شوق ہوتا ہے۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بدعت کتنا بڑا گناہ ہے' کیونکہ اس کی زد براہِ راست اللہ کی ذات گرامی پر پڑتی ہے یا پھر رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ رسالت پر۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدعت کو دنیا کا سب سے بدتر کام قرار دیا اور بدعتی کی شوخ چشمانہ جسارت دیکھیے کہ دنیا کا سب سے بدتر کام اسے نماز وغیرہ جیسے فرائض سے بھی اچھا اور زیادہ ضروری لگتا ہے۔

آہ نگاہ کی نامسلمانی سے فریاد۔
فَلْيَبْكِ عَلَى الاِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَاكِيًا

بہر حال نکاح کے موقع پر جب کہ ایمان کی تجدید اور ایمان کی تکمیل ہوتی ہے' بدعت سازی سے بھی مسلمان کو ڈرایا گیا ہے تا کہ اس کا ایمان محفوظ رہے۔ اس لیے کہ ایمان کی محفوظیت کا راز اتباع رسول ہی میں مضمر ہے۔ اسے اپنی زندگی کو اتباع رسول ہی کے ذریعے سے سنوارنا ہے نہ کہ بدعات کا ارتکاب کر کے گمراہی اور جہنم کا راستہ اختیار کرنا ہے۔



خطبۂ نکاح میں آیات قرآنیہ کی مختصر تشریح

خطبہ نکاح میں قرآن کریم کی تین آیات بھی شامل ہیں۔ نبی ﷺ یہ آیات بھی پڑھا کرتے تھے۔ نکاح انسانی زندگی کا ایک نہایت اہم موقع ہے۔ اس موقع پر انسان ایک رفیقۂ حیات کا انتخاب کر کے اس کے ساتھ عمر بھر چلنے' اس کے دکھ درد میں شریک رہنے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا عہد و پیمان کرتا ہے۔ مذکورہ آیات پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے چند ایسے بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں کہ زندگی کے سفر میں رفاقت اور تعاون کا عہد و پیمان باندھنے والے یہ دونوں افراد اور ان کے قریبی متعلقین اگر ان اصولوں اور بنیادی باتوں کو ہر وقت سامنے رکھیں اور ان کے تقاضوں کو ادا کرتے رہیں' تو زندگی کا یہ سفر نہایت خوشگواری کے ساتھ طے ہو جاتا ہے' ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی بہتر طریقے سے ہو جاتی ہے اور تلخیوں اور ناخوش گواریوں سے گھر محفوظ رہتے ہیں۔

تقویٰ: ان تینوں آیات میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایسے موقعے پر ایسی آیات کا انتخاب' جن میں سے ہر آیت میں تقویٰ کا حکم ہے' تقویٰ کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ تقویٰ کیا ہے؟ اللہ کا ڈر اور قیامت کے دن اس کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر اپنے عمل کی جواب دہی کا احساس۔ یعنی اگر میں نے اللہ کے حکموں کی اطاعت نہ کی اور اس کی نافرمانیوں کے ارتکاب سے باز نہ رہا' تو قیامت کے دن اللہ مجھ سے باز پرس فرمائے گا' پھر میں کس طرح اس کی گرفت اور عذاب سے محفوظ رہوں گا؟

اللہ کا یہ ڈر آخرت میں جواب دہی کا یہ احساس' گھر کی چار دیواری کے اندر' جہاں

قانون کے ہاتھ پہنچتے ہیں نہ پہنچ ہی سکتے ہیں' مرد کو بیوی کے حقوق اور عورت کو خاوند کے حقوق ادا کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ ظلم وزیادتی کرنے سے باز رکھتا ہے۔ اور جس گھر میں باہمی حقوق وفرائض کا شعور اور ان کی ادائیگی کا اہتمام ہو' وہاں تلخیاں اور کشیدگیاں جنم ہی نہیں لیتیں اور دونوں کی زندگی نہایت خوشگوار گزرتی ہے۔ لیکن جہاں تقوے کا فقدان ہو تو وہاں قانون اور ڈنڈے کے زور سے ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا جذبہ اور خوشگوار ماحول پیدا نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ گھر کے اندر ہر وقت قانون کی رسائی ممکن ہی نہیں۔ نتیجتاً وہ گھر نعمت کدہ کی بجائے آتش کدہ بن کر رہ جائے گا' جہاں بیوی خاوند سے ناراض اور خاوند بیوی سے بیزار اور ایک دوسرے سے جوتم بیزار رہیں گے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

دوسری بات اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ تمہیں جب موت آئے اس حال میں آئے کہ تم مسلمان ہو۔ حالانکہ موت کا کوئی پتہ نہیں کس وقت آ جائے؟ جب واقعہ یہ ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں موت کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے' کیونکہ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے' یہ بچپن میں بھی آ سکتی ہے اور جوانی میں بھی' ادھیڑ عمر میں بھی آ سکتی ہے اور بڑھاپے میں بھی۔ اور تیار رہنے کا مطلب ہے کہ تم ہنسی خوشی موت کا استقبال کرو' تمہیں اللہ کے پاس جاتے ہوئے مسرت محسوس ہو رہی ہو کہ اب اللہ کے پاس جا کر کائنات کے مالک کی میزبانی سے خوب لطف اندوز ہو گے' اس کی رحمت ومغفرت سے شادکام اور جنت کی نعمتوں سے مالا مال ہو گے۔ اور ایسا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ موت انسان کے ہر وقت سامنے رہے اور اس کے لیے اس کی تیاری بھی ہر وقت جاری رہے' کسی وقت بھی انسان موت سے غافل نہ رہے۔

جب انسان کسی طرح بھی موت سے غافل نہیں رہتا' بلکہ ہر وقت اس کے لیے تیار

رہتا ہے تو پھر وہ اللہ کی حدوں کو نہیں توڑتا' اس کے ضابطوں کو پامال نہیں کرتا' اس کی نافرمانیوں کا ارتکاب نہیں کرتا' بلکہ ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہے' ہر عمل سوچ سمجھ کر کرتا ہے۔ موت کا تصور' ہر لحظہ اسے اللہ کے سامنے رکھتا ہے اور وہ اللہ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جسے حدیث میں ''احسان'' سے تعبیر کیا گیا ہے' "اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ" (صحيح مسلم' الايمان' حديث: ٨) ''اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔''

جب اللہ کا اس طرح تصور اور اس کا استحضار رہتا ہے' تو پھر انسان دنیا کے بوجھوں سے اپنے آپ کو زیادہ گراں بار نہیں کرتا' بلکہ سادہ اور مسافرانہ زندگی گزارتا ہے' جیسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے دونوں کندھوں کو پکڑ کر فرمایا:

«كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ»(صحيح البخاري، الرقاق، باب قول النبي ﷺ كن في الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل، ح: ٦٤١٦)

''تو دنیا میں اس طرح رہ' گویا کہ تو مسافر ہے یا راستہ عبور کرنے والا ہے۔''

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

«إِذَا أَمْسَيْتَ فَلاَ تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلاَ تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ» (صحيح البخاري، الرقاق، باب قول النبي ﷺ كن في الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل، ح: ٦٤١٦)

''جب شام ہو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کرو اور اپنی صحت کے ایام میں اتنا کچھ کر لو کہ بیماری میں کام آئے اور اپنی زندگی میں اتنا کچھ کر لو کہ تمہاری موت کے وقت کام آئے۔''

سب کی اصل ایک ہے: تیسری اہم بات سورۂ نساء کی آیت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ تم

سب کی اصل ایک ہے یعنی تم سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ اس لیے دونوں میں سے کوئی حسب ونسب، نسل و وطن اور خاندان و برادری کی بنیاد پر فخر و غرور کا اظہار کرے نہ دوسرے کو اپنے سے حقیر اور کمتر سمجھے۔ اگر کوئی ایسے خاندان میں پیدا ہوا ہے جس کو لوگ اونچا تصور کرتے ہیں، تو اس میں اس کا کوئی کمال نہیں ہے جس پر وہ فخر کرے، کیونکہ وہ اپنے اختیار سے اس خاندان میں پیدا نہیں ہوا ہے اور اگر اس کا دوسرا ساتھی کسی ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہے جسے لوگ حقیر سمجھتے ہیں تو اس میں اس کا کوئی نقص نہیں، کیونکہ وہ اپنے اختیار سے اس میں پیدا نہیں ہوا۔ اور جو چیز انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے تو اس پر فخر کرنے یا اس کی وجہ سے کسی کو حقیر سمجھنے کا بھی کوئی جواز نہیں ہے، اسی لیے اسلام نے حسب ونسب پر فخر و غرور کرنے کو ''جاہلیت'' سے تعبیر فرمایا ہے۔ میاں بیوی میں سے کسی ایک کے اندر برتری کا یہ احساس بھی طعن و تشنیع کا سبب، نفرت کا زہر گھولنے اور ناخوشگواری کا ذریعہ بنتا ہے۔ گویا گھر کے ماحول اور زندگی کے سفر کو خوشگوار بنانے اور رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ حریم دل کے طاقوں سے نسل ونسب کے بتوں کو بھی نکال دیا جائے، اس کی پوجا کرنے کی بجائے اس کے سرِ پُر غرور کو توڑ دیا جائے اور اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں اور اس لحاظ سے کوئی برتر ہے نہ کوئی کم تر۔ برتر اور صاحب شرف و فضل اگر کوئی ہے تو وہ ہے جو ایمان و تقویٰ اور اخلاق و کردار میں برتر ہے۔

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقَاکُمْ﴾ (الحجرات: ۴۹/ ۱۳)

<u>قطع رحمی سے بچو:</u> چوتھی بات یہ کہی گئی ہے کہ قطع رحمی سے بچو، گویا دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ کہ صلہ رحمی کرو۔ اور صلہ رحمی کا مطلب، رشتے داروں سے حسن سلوک اور ان کے حقوق کا ادا کرنا ہے۔ رشتے داروں میں سب سے زیادہ قریب انسان کے اپنے والدین، پھر بہن بھائی اور درجہ بدرجہ دوسرے قرابت مند ہیں۔ اس موقعے پر صلہ رحمی کی

خصوصی تاکید سے اس امر کی وضاحت مقصود معلوم ہوتی ہے کہ نکاح کے بعد جب ایک مرد کے حرم میں ایک عورت داخل ہوئی' تو اس سے ان کے درمیان بالعموم محبت کا ایک بے مثال تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ اور ایک مشہور مقولہ ہے:

«حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ»(سنن أبي داود، الأدب، باب في الهوى، ح: ٥١٣٠ ـ ضعيف أبوداود، ص: ٥٠٧)

''تیرا کسی چیز سے محبت کرنا اندھا اور بہرا کر دیتا ہے۔''

کہیں ایسا نہ ہو کہ بیوی کی محبت' والدین' بہن بھائیوں اور دیگر قرابت مندوں کے حقوق سے غافل کر دے اور تم قطع رحمی جیسے کبیرہ گناہ کے مرتکب بن جاؤ' جس کی بابت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم، وتحريم قطيعتها، ح: ٢٥٥٦)

''قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔''

اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ نئی نویلی دلھن کی ساس جب دیکھتی ہے کہ اس کے بیٹے کے دل میں بیوی کی محبت راسخ ہوگئی ہے' تو وہ اس پر اللہ کا شکر کرنے کی بجائے' بہو کی رقیب بن کر اس فطری محبت کو ختم کرنے کے درپے ہو جاتی ہے اور اس کے خلاف محاذ قائم کر لیتی ہے' اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی دلھن کی نندیں (دولھا کی بہنیں) یہ رقیبانہ کردار سنبھال لیتی ہیں۔ اور یوں یہ لوگ صلہ رحمی کی بجائے قطع رحمی کا ارتکاب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ قطع رحمی بہت بڑا گناہ ہے' کسی طرف سے بھی اس کا اظہار و ارتکاب نہیں ہونا چاہیے۔ نہ دولھا کی طرف سے اپنے رشتے داروں یعنی اپنے گھر

والوں کے لیے اور نہ دولھا کے گھر والوں کی طرف سے دلھن اور اس کے گھر والوں کے لیے۔ بلکہ دونوں فریق صلہ رحمی اور اس کے تقاضوں کو ملحوظ رکھیں' کیونکہ اس کے بغیر نئے رشتے کا استحکام و بقا ممکن نہیں۔

قول سدید کی تاکید: اس موقعے پر قول سدید کی بھی تاکید کی گئی ہے۔ قول سدید کا مطلب ہے' سیدھی اور سچی بات' جس میں ہیرا پھیری نہ ہو۔ اس لیے کہ تعلقات میں حسن اور خوشگواری اخلاص اور خیر خواہی ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور جہاں اخلاص اور باہم خیر خواہی کا جذبہ ہوگا' وہاں زبان سے نکلنے والا کلمہ بھی سچا ہوگا۔ گویا اخلاص اور راست بازی و سچائی' دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس اعتبار سے میاں بیوی کے درمیان خوشگوار تعلقات کے لیے قول سدید کی اہمیت بھی مسلم ہے۔

اللہ رسول کی اطاعت: ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ اگر تم فوزِ عظیم (بڑی کامیابی) چاہتے ہو' تو اللہ رسول کی اطاعت کرو' فوزِ عظیم حاصل کرنے کا اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں۔ یہ فوز عظیم کیا ہے؟ دنیا کی سعادت و کامرانی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات۔ ورنہ دنیا میں تو بہت سے لوگ' حتیٰ کہ اللہ کے بڑے بڑے نافرمان بھی بظاہر کامیاب اور نہایت خوش حال زندگی گزارتے ہیں لیکن دنیا سے آنکھیں موندھ لینے کے بعد وہ اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ قرآن کریم کے مطابق یہ لوگ کامیاب نہیں' بلکہ سراسر ناکام ہیں۔ کامیاب صرف وہ لوگ ہیں جو دنیا میں اللہ رسول کی اطاعت کا راستہ اختیار کرتے اور ان کے احکام و ہدایات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ ان کی تجارت و کاروبار' ان کی سیاست و معیشت' ان کے رہن سہن اور معاشرت' ان کا باہم لین دین اور تعلق' ان کی شکل وصورت اور ان کی شادی بیاہ اور دیگر معاملات' سب میں اللہ رسول کی اطاعت کا جذبہ نمایاں اور کارفرما ہوتا ہے۔ ان کا اسلام صرف مسجد کی چاردیواری تک محدود نہیں ہوتا۔

بلکہ مارکیٹوں اور منڈیوں میں بھی وہ اسلام کے اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہیں اور امانت ودیانت کی مثالیں قائم کرتے ہیں' ان کی شادیاں بھی سادگی پر مبنی اور فضول خرچی' جاہلانہ رسومات اور غیروں کی نقالی سے پاک ہوتی ہیں۔ان کی شکلیں بھی مومنانہ اور ان کا اخلاق وکردار بھی متقیانہ ہوتا ہے۔غرض ان کی پوری زندگی اور زندگی کے تمام معمولات شریعت کے سانچے میں ڈھلے ہوتے ہیں' ایسے ہی لوگ کامیاب وکامران ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں بھی انہیں میں سے کرے۔



-۲-

شادی بیاہ کی رسومات کے بارے میں استفسار

محترم حافظ صلاح الدین یوسف صاحب

امید ہے آپ ایمان و عافیت کی اعلیٰ و ارفع حالت میں ہوں گے۔ طالب علم کی جانب سے چند سوال پیش خدمت ہیں اور صاحب علم سے جواب کی گزارش ہے۔

ان مسائل کا جواب آپ کے لیے باعث ثواب بھی ہے اور تشنگان علم کے لیے جرعات آب بھی اور یہی اللہ عز وجل کا فرمان بھی ہے اور اہل علم کی شان بھی۔

چند گزارشات: (۱) از راہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں دلیل ذکر کر کے جواب دیجیے گا۔ (۲) برائے مہربانی جوابات ۱۰ سے ۱۵ روز میں تحریر کر کے روانہ کر دیجئے گا۔ اس لیے کہ ایک مسلم نوجوان قرآن وسنت کے مطابق شادی کرنے کا خواب آنکھوں میں سجائے بیٹھا ہے۔ آپ کے جواب کی روشنی میں اسے وہ راستہ میسر آئے گا جس پر چل کر وہ اپنے خواب کو حقیقت کا روپ دے سکے گا۔ جَزَاکُمُ اللّٰهُ خَیْرًا.

مخلص: اعجاز حسن

پی او بکس: 130 بہاول نگر

فون: (0631) 74270 - 71670

سوالات: ١- منگنی کی رسم کے طور پر لڑکے اور لڑکی کو انگوٹھی پہنانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ (اگر لڑکے کو چاندی کی انگوٹھی پہنائی جائے)

٢- نبیٔ اکرم ﷺ کس انگلی میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے؟

٣- کیا شادی سے قبل مہندی اور مایوں کی رسم ادا کی جا سکتی ہے اگر مرد و زن کا اختلاط نہ ہو؟

٤- کیا لڑکے کو بھی مہندی لگائی جا سکتی ہے؟

٥- کیا شادی سے قبل رشتہ دار بچیاں اور خواتین دف پر گیت گا سکتی ہیں؟ اور کیا ان کی آواز صرف گھر تک ہی محدود رہے؟

٦- کیا اعلان نکاح کے طور پر گھر پر برقی قمقمے روشن کیے جا سکتے ہیں؟

٧- کیا مسجد میں نکاح کرنا سنت سے ثابت ہے؟

٨- نکاح کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا کیا مسنون ہے؟

٩- نکاح کے بعد چھوہارے تقسیم کرنے میں کوئی حرج تو نہیں؟

١٠- اقارب واحباب جو رقوم لڑکے یا لڑکی کو سلامی کے طور پر یا تحفہ کے طور پر دیتے ہیں ان کا وصول کرنا کیسا ہے؟ کیا "تَهَادَوْا تَحَابُّوْا" والی حدیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے؟ کیا انس رضی اللہ عنہ سے مروی حضرت محمد ﷺ کی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی والی حدیث:

«فَأَصْبَحَ النَّبِيُّ ﷺ عَرُوسًا، فَقَالَ: مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَلْيَجِئْ بِهِ، وَبَسَطَ نِطَعًا، فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيءُ بِالتَّمْرِ ... فَكَانَتْ وَلِيمَةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ»(صحيح البخاري، الصلاة، باب ما يذكر في الفخذ، ح: ٣٧١)

قابل استدلال ہے۔

۱۱- کیا لڑکی شادی کے لیے تیار ہونے بیوٹی پارلر جا سکتی ہے؟

جیسا کہ مندرجہ ذیل دو حدیثوں میں اشارہ ہے۔

«إِنِّي قَـيَّـنْتُ عَائِشَةَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ..... الحديث»(مسند أحمد: ٦/ ٤٥٨، ح: ٢٨١٤٣)

«حَتَّى إِذَا كَانَ بِالطَّرِيقِ جَهَّزَتْهَا لَهُ أُمُّ سُلَيْمٍ، فَأَهْدَتْهَا لَهُ مِنَ اللَّيْلِ»(صحيح البخاري، الصلاة، باب ما يذكر في الفخذ، ح: ٣٧١)

۱۲- ولیمہ میں حسب استطاعت کھانا کھلایا جائے یا رواج کو مدنظر رکھتے ہوئے مشروبات ہی پر اکتفا کیا جائے؟

۱۳- کیا رسم کے مطابق چھوٹے بھائی کو شہ بالا بنایا جا سکتا ہے؟

۱٤- حق مہر کی شرعی حد کیا ہے؟ کتنی مقدار دینا مستحب ہے؟ ۳۲ روپے کی حقیقت کیا ہے؟

۱۵- ولیمہ نکاح کے بعد کس دن کیا جائے؟ اور کتنے دن تک دعوت ولیمہ جاری رکھی جا سکتی ہے؟

۱٦- شادی کے بعد میاں بیوی کا سیر و سیاحت (ماہ عسل Honey Moon) کے لیے جانا کیسا ہے؟

۱۷- نکاح کے روز والدین کے علاوہ اقارب کو ساتھ لے کر جانا کیسا ہے۔

۱۸- شادی سے قبل مایوں بٹھانا یا مہندی لگانا ہندوستانی معاشرے کی ریت ہے؟ اگر یہ رسم اختیار کی جائے تو کیا یہ ہندو قوم سے مشابہت ہے؟ کیا اسلامی ثقافت سے مراد صرف عرب ثقافت ہے؟ مسلمان جس معاشرے میں رہتا ہوا اس کے رسوم و رواج

کو کس حد تک اختیار کر سکتا ہے تاکہ وہ "مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" کے حکم میں داخل نہ ہو؟

۱۹ - جہیز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی پر جہیز دیا گیا تھا؟ اس کی مقدار کیا تھی؟ جہیز کی اشیاء کی قیمت کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ادا کی تھی؟

۲۰ - حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی بیویوں) کا مہر کتنا تھا؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا۔ پھر انہوں نے فرمایا، کیا تو جانتا ہے کہ نش کتنا ہوتا ہے؟ میں نے کہا نہیں، انہوں نے فرمایا: آدھا اوقیہ، اس طرح یہ پانچ سو درہم ہوئے بس یہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا حق مہر (صحیح مسلم) سوال یہ ہے کہ اوقیہ کتنے درہم کے برابر ہے؟ اور پانچ سو درہم موجودہ دور میں کتنے پاکستانی روپے کے برابر ہیں؟ ایک درہم کتنے پاکستانی روپے کے مساوی ہے؟

۱۲ - خواتین کو کھانا پیش کرنے کا کام کیا بیرے کر سکتے ہیں؟

۲۲ - اس کے علاوہ ہمارے ہاں (پاکستان) میں شادی کے موقع پر جو کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں، ان کے بارے میں رہبری فرمائیے۔ (اعجاز حسن، مذکور)



شادی بیاہ کی رسومات کے بارے میں سوالات کے جوابات

آپ کے سوالات کے مختصر جوابات حسب ذیل ہیں۔ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

۱- منگنی کا مطلب ہے۔ نکاح کا پیغام دینا، یعنی نکاح کے لیے بات چیت کا آغاز، اس کے بعد طرفین کو مناسبت اور موزونیت نظر آتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے اور حالات کی تحقیق کی ضرورت پیش آتی ہے، اگر دونوں باہم مطمئن ہو جاتے ہیں تو دونوں طرف سے ایک دوسرے کے لیے ''ہاں'' کردی جاتی ہے۔ اس کو کہتے ہیں، نسبت کا طے ہو جانا۔ یعنی دونوں طرف سے پسندیدگی کا اظہار اور قول وقرار کا ہو جانا۔ پہلے اس زبانی اقرار اور نسبت کی بڑی اہمیت ہوتی تھی ۔ اس لیے اس کے بعد مزید کچھ اور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی اور پھر حسب حالات نکاح کی تاریخ مقرر کر لی جاتی تھی۔

لیکن پھر اس میں اضافے شروع ہو گئے اور اشیاء کا باہم تبادلہ ضروری سا ہو گیا۔ لڑکی والے، لڑکے کو انگوٹھی' گھڑی، سوٹ وغیرہ کے ساتھ کچھ نقدی دیتے ہیں اور اسی طرح لڑکے والے، لڑکی کے لیے کوئی زیور، سوٹ، میک اپ کے سامان وغیرہ کے ساتھ کچھ نقدی ادا کرتے ہیں اور منوں اور سیروں کے حساب سے مٹھائیوں کا تبادلہ بھی ہوتا ہے۔ اور شریک ہونے والے رشتے داروں کو سوٹ بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ بعض اصحاب حیثیت تو منگنی کی یہ رسم بھی شادی کی طرح کرتے ہیں اور ہزاروں نہیں، لاکھوں روپیہ اس پر صرف کر ڈالتے ہیں۔ یعنی پہلے تو صرف شادی کی بے پناہ رسومات ہی کا رونا تھا۔ اب نو دولتیوں نے منگنی کی رسم کو بھی اپنی امارت کے شان وشکوہ کے اظہار کا ذریعہ اور مسرفانہ اخراجات کا مظہر بنالیا ہے۔

ظاہر بات ہے یہ سب باتیں فضول اور مسرفانہ ہیں۔ جو شریعت میں کسی طرح بھی مستحسن نہیں۔ منگنی کا مطلب، صرف نسبت کا طے ہو جانا اور زبانی عہد و پیمان ہے۔ باقی فضول رسمیں ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔ خاص طور پر لڑکے کو منگنی کے موقعے پر سونے کی انگوٹھی پیش کرنا، تو ایسی رسم ہے جس کی کسی مسلمان سے توقع ہی نہیں کی جا سکتی، کیونکہ اسلام میں مردوں کے لیے سونا حرام ہے۔ ہاں مرد چاندی کی انگوٹھی پہن سکتا ہے۔ لیکن اس موقعے پر اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ شرعی مسئلہ تو نہیں ہے، اس لیے منگنی کے موقعے پر اس رسم سے بھی بچا جائے، چاہے انگوٹھی چاندی ہی کی ہو۔

۲- نبی کریم ﷺ کی بابت دونوں قسم کی روایات ملتی ہیں کہ آپ چاندی کی انگوٹھی بائیں اور دائیں ہاتھ کی انگلی میں پہنتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ آپ کے بائیں ہاتھ کی چھنگلی میں انگوٹھی تھی۔ (صحیح مسلم' اللباس' حدیث : ۲۰۹۵)

۳- شادی سے قبل مہندی اور مایوں کی رسم' ایک عرصے سے چلی آرہی ہے۔ یہ بھی ایک رسم ہی ہے۔ اگر اس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو، تو اس کے کرنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ تاہم بہ حیثیت رسم کے، اس سے بھی بچنا بہتر ہی ہے۔

٤- مردوں کے لیے مہندی لگانا ممنوع ہے، کیونکہ یہ صرف عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ مرد صرف سر اور داڑھی کے بالوں میں مہندی لگا سکتا ہے۔

٥- خوشی کے موقع پر دف بجانے کی اجازت ہے، لیکن مشروط۔ ایک تو یہ کام صرف نابالغ چھوٹی بچیاں کریں۔ دوسرے قومی و ملی نغموں کے ساتھ' جن میں آباؤ اجداد کے قومی کارناموں یا ان کے خاندانی شرف و مجد کا تذکرہ ہو۔ فلمی دھنوں پر عشقیہ اور بازاری قسم کے گانوں کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔

٦- شادی کے موقعوں پر گھروں میں چراغاں کرنا بھی غیر شرعی رسم بلکہ آتش پرستوں

کی نقل ہے۔ اس لیے کہ خوشی کے مواقع پر چراغاں کرنا مجوسیوں کا شعار ہے۔ یہ رسم ہندوستان کے بت پرستوں نے آتش پرستوں سے لی اور ہندوؤں کی دیکھا دیکھی اسے مسلمانوں نے اختیار کرلیا۔ بنابریں اس سے بھی اجتناب ضروری ہے۔

۷- نبی ﷺ سے مسجد میں نکاح کرنا ثابت نہیں۔ گو یہ بات عام اور مشہور ہے۔ غالباً اس کی وجہ ترمذی کی یہ روایت ہے:

«أَعْلِنُوا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ»(جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في إعلان النكاح، ح:١٠٨٩)

''اس نکاح کا اعلان کرو اور اسے مسجد میں کرو۔''

لیکن شیخ البانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کا پہلا فقرہ یعنی نکاح' اعلان کر کے کیا جائے' تو صحیح ہے، لیکن دوسرا فقرہ صحیح نہیں ہے۔ (ارواء الغلیل حدیث ۱۹۹۳ و سلسلة الأحاديث الضعيفة' حديث : ۹۷۸ و ضعيف الجامع : ۹٦٦)

اس لیے مساجد میں نکاح کرنا ضروری ہے نہ اسے سنت ہی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ کے زمانے میں اس کی کوئی اصل نہیں ملتی۔ اور اس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عہد رسالت میں نکاح کی تقریب کو اتنی اہمیت کبھی نہیں دی گئی جو آج کل ہمارے معاشرے میں اسے حاصل ہے۔ عہد نبوی میں یہ ایک مختصر سی گھریلو تقریب ہوتی تھی جس میں خاندان کے لوگ شامل ہوتے تھے نہ دوست احباب۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اس موقع پر نبی ﷺ تک کو نکاح کی تقریب میں شریک نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے کپڑوں میں کچھ زردی سی لگی ہوئی دیکھی تو پوچھا' یہ کیا ہے؟ انہوں نے وضاحت کی کہ میں نے شادی کرلی ہے۔(صحیح بخاری' النکاح' حدیث : ۵۱۵۳) اس سے معلوم ہوا کہ شادی کے موقعے پر خاندان اور برادری اور دوست احباب

کو اکٹھا کرنا، یہ بھی ایک قابل اصلاح رسم ہے۔ اس کی بھی کوئی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے عمل یا قول میں نہیں ملتی۔

۸- نکاح کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا بھی کوئی ثبوت نبی ﷺ سے نہیں ملتا۔ اس لیے اسے سنت سمجھ کر کرنا صحیح نہیں ہوگا، تاہم اس کے جواز سے مجالِ انکار نہیں۔

۹- نکاح کے بعد چھوہارے (یا آج کل پیکٹ) وغیرہ کی تقسیم بھی ہمارا رواج ہے، اس کی بھی کوئی شرعی اصل نہیں۔ اس سلسلے میں بعض روایات آتی ہیں لیکن ان میں کوئی بھی روایت صحیح نہیں ہے۔ اس لیے اسے سنت سمجھ کر کرنا تو صحیح نہیں۔ تاہم ایک قومی رواج کے طور پر اس کا جواز ہے، کیونکہ اس میں کسی نص کی خلاف ورزی کا پہلو نہیں ہے۔

۱۰- تحفوں اور ہدیوں کا تبادلہ حدیث ((تَهَادَوْا تَحَابُّوْا)) (الادب المفرد) کے تحت یقیناً مستحب عمل ہے۔ لیکن شادی بیاہ کے موقعوں پر جو ایسا کیا جاتا ہے۔ اسے عام طور پر قرض سمجھا جاتا ہے اور اس کے بدلے میں کم از کم اس جیسا ہی یا پھر اس سے بڑھ کر تحفہ دینا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس میں کسی کی حیثیت کو بھی ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ ہدیے کے مقابلے میں ہدیہ دینا یقیناً مسنون اور پسندیدہ عمل ہے اور اللہ تعالیٰ نے صاحب حیثیت بنایا ہو تو بہتر بدلہ ہی دینا بہتر ہے۔ لیکن اگر فریق ثانی کی حیثیت کمزور ہو اور بدلے میں ہدیہ دینا اس کے لیے مشکل ہو۔ اور وہ نہ دے سکے۔ تو اس پر سخت ناراضی اور برہمی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ یہی صورت سلامی یا نیوتے کی ہے۔ اس کی ابتداء تو غالباً باہمی تعاون کے جذبے ہی سے ہوئی ہوگی کہ اس طرح ایک شخص کی شادی کے موقعے پر سارے رشتے دار سلامی کی صورت میں اس سے تعاون کرتے ہیں جس سے اس کو بہت مدد ملتی ہے۔ لیکن اسے بھی قرض ہی سمجھا جاتا ہے اور قرض بھی سودی۔ یعنی دینے والے کی خواہش ہوتی ہے کہ میں نے جتنی رقم دی ہے۔ میرے بچے یا بچی کی شادی کے موقعے پر

اس کے بدلے میں کچھ زیادہ ہی رقم ملے۔ اور عام طور پر ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ اگر کسی کے حالات جوابی سلامی کے نہ ہوں تو اس پر سخت ناک بھوں چڑھایا جاتا ہے۔

ہمارے اس رویے اور طرزِ عمل نے ایک مستحسن عمل کو شرعاً محلِ نظر بنا دیا ہے۔ اور جب تک ہمارا ذہنی رویہ صحیح نہیں ہوگا۔ مذکورہ ہدیے اور سلامی کا سلسلہ بھی مشکوک اور اس سے بچنا بہتر ہوگا۔ ہاں کوئی شخص محض تعاون کے نقطہ نظر سے سلامی دیتا ہے یا ایک پسندیدہ عمل سمجھ کر ہدیہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں اس جیسی سلامی یا ہدیے کی امید نہیں رکھتا۔ اور فریقِ ثانی کی طرف سے کچھ وصول نہ ہونے پر ناراض نہیں ہوتا۔ تو اس کا یہ عمل یقیناً پسندیدہ اور مستحسن ہوگا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کا جو واقعہ ہے، وہ ایک سفر کا واقعہ ہے۔ خیبر کی جنگ سے واپسی کا۔ راستے ہی میں حضرت صفیہ کو آپ نے آزاد کر کے اس سے شادی فرمائی اور شبِ زفاف کی صبح کو آپ نے صحابہ سے فرمایا: جس کے پاس جو چیز ہو، وہ لے آئے اور دستر خوان بچھا دیا گیا، چنانچہ کوئی کھجور لے آیا، کوئی گھی، کوئی پنیر اور کوئی ستو۔ ان سب اشیاء کو ملا کر حلوہ سا تیار کر لیا گیا اور اس میں گوشت تھا نہ روٹی، صحابہ نے اسے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ولیمے کے طور پر تناول کیا۔ (صحیح بخاری، الصلاۃ، باب مایذ کر فی الفخذ، حدیث: ۳۷۱ و کتاب النکاح، باب البناء فی السفر، حدیث: ۵۱۵۹)

یہ باہمی تعاون اور سادگی کے ساتھ ولیمہ کرنے کا بہترین نمونہ ہے۔ یہ حدیث اور واقعہ یقیناً قابلِ استدلال ہے، لیکن اس سے باہمی تعاون اور سادگی ہی کا سبق ملتا ہے اور یہ دونوں ہی چیزیں مستحسن ہیں۔ اس سے پر تکلف ولیموں اور دعوتوں کا اثبات ہوتا ہے نہ شادی کی دیگر رسومات کا۔ بلکہ صرف سادگی اور باہمی تعاون کا اثبات ہوتا ہے۔

۱۱- شادی کے موقعے پر دلھن کا سولہ سنگھار (میک اپ) کرنا اور دولھا کے لیے

اس کا بنانا سنوارنا اور اسے زیب و زینت سے آراستہ کرنا ایک جائز عمل ہے۔ اس لیے کہ خاوند کے لیے زیب و زینت جائز بلکہ مستحب ہے۔ اور عہد رسالت سے یہ کام اسلامی معاشرے میں ہوتا آرہا ہے، جیسا کہ سائل کی نقل کردہ دو حدیثوں سے بھی واضح ہے۔ ایک میں ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید نے حضرت عائشہ کو رضی اللہ عنہا (رخصتی کے موقع پر) مزین کیا۔ دوسری حدیث میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ انہیں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے تیار کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ ان دونوں روایات سے دلھن کے بناؤ سنگھار کا اثبات ہوتا ہے۔ لیکن یہ بناؤ سنگھار کون کرے گا؟ یہ گھر کی عورتیں یا اس کی سہیلیاں اور خاندان کی عورتیں ہی یہ کام کریں گی۔

صدیوں سے یہ سلسلہ اس طرح ہی چلا آرہا ہے۔ اب چند سالوں سے بیوٹی پارلروں کا سلسلہ چل نکلا ہے۔ ان میں دلھنوں کو تیار کیا جاتا ہے اور جو کام چند روپوں میں ہو جاتا تھا، اس پر ہزاروں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ان میں میک اپ کے ایسے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں جس سے عورت کا حلیہ ہی بگڑ جاتا ہے، اور یوں اس میں اللہ تعالیٰ کی پیدائش کو تبدیل کرنے کی مذموم سعی کی جاتی ہے۔ اس لیے بیوٹی پارلروں کا یہ سلسلہ غیر شرعی ہے۔ ایک تو یہ غیروں کی نقالی پر مبنی ہے، یعنی یہ مغربی معاشروں کی لعنت ہے جو ہمارے اسلامی ملکوں میں بھی آگئی ہے۔ دوسرے بناؤ سنگھار پر حد سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے جو سراسر فضول خرچی ہے۔ تیسرے، اس میں بناؤ سنگھار کے نام پر اللہ تعالیٰ کی پیدائش کو تبدیل کیا جاتا ہے۔ چوتھے، اس میں بے پردگی اور بے حیائی کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ بیوٹی پارلر کی سجی ہوئی دلھن چادر یا برقع استعمال نہیں کرسکتی اور اسے بے پردہ ہی رہنا پڑتا ہے، حتی کہ وہ وضو کر کے نماز نہیں پڑھ سکتی۔ کیونکہ پردہ کرنے یا وضو کرنے سے اس کا وہ سارا میک اپ خراب ہو جاتا ہے جو بیوٹی پارلر میں کیا جاتا ہے۔

بنا بریں بیوٹی پارلروں کا یہ سارا سلسلہ نا جائز اور حرام ہے اور ان کے ذریعے سے دلھن سازی کا کام بھی نا جائز ہے۔ یہ مغرب کی حیا باختہ تہذیب کا ایک تحفہ ہے اور اسے وہی لوگ پسند کرتے جو اسلامی تہذیب سے متنفر اور مغربی تہذیب کے والہ وشیدا ہیں۔ اس لیے دین دار اور باپردہ گھرانوں کو کبھی بھی بیوٹی پارلروں کا رخ نہیں کرنا چاہیے۔

۱۲ - ولیمے میں حسب استطاعت کھانا کھلایا جا سکتا ہے۔ اور مدعوین کی تعداد مختصر ہو، تو اس پر کوئی قانونی گرفت بھی نہیں ہے، کیونکہ انہیں نہایت آسانی کے ساتھ گھروں میں کھانا کھلایا جا سکتا ہے۔ سارا مسئلہ وہیں پیدا ہوتا ہے جہاں مدعوین کی تعداد سینکڑوں یا ہزاروں میں ہو اور انواع واقسام کے کھانوں کا اہتمام ہو۔

ولیمے یا شادی کے موقعوں پر اتنا ہجوم اکٹھا کرنا اور انواع واقسام کے کھانوں کی بھرمار، یہ دونوں ہی باتیں شرعاً ناپسندیدہ ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ شادی یا ولیمے کی دعوتوں کا حجم چھوٹا کیا جائے اور پورے پورے خاندانوں اور سب میل ملاقاتیوں کے بلانے کے سلسلے کو ختم کر کے مختصر ضروری افراد کے ذریعے سے یہ امور سرانجام دیے جائیں۔ جب یہ سلسلہ مختصر ہوگا تو اس میں آتش بازی ہوگی نہ چراغاں، نہ رقص وسرود ہوگا نہ میوزیکل وغیرہ، نہ مووی فلم سازی ہوگی نہ بینڈ باجا۔ نہ کھانوں کا مینا بازار ہوگا، نہ بے پردہ عورتوں کی آرائش وزیبائش اور ان کے حسن و جمال کے مقابلے۔ نہ نور و نگہت کا طوفان ہوگا نہ جگت بازی کا مظاہرہ۔

یہ ساری خرافات ''ہجوم'' جمع کرنے کے نتیجے میں ہوتی ہیں۔ اگر یہ ہجوم شادیوں پر نہ ہو، تو مذکورہ رسموں اور خرافات کا راستہ از خود ہی بند ہو جاتا ہے۔ بنا بریں دین دار حضرات جہاں اور بے ہودہ رسموں سے بچنے کی سعی کرتے ہیں، انہیں شادیوں اور ولیموں، براتوں میں زیادہ ہجوم جمع کرنے سے بھی گریز کرنا چاہیے۔

علاوہ ازیں ولیمے کی دعوت میں گوشت روٹی یا زردہ بریانی ہی ضروری نہیں، بلکہ مشروبات وغیرہ سے بھی کام چل سکتا ہے، جیسا کہ موجودہ آرڈی ننس کا تقاضا ہے، اس آرڈی ننس کا مقصد بھی قوم کی اصلاح اور اس کو فضول خرچی کی خوئے بد سے نجات دلانا ہی ہے۔ (1)

اس لیے یہ اسلام کی روح کے مطابق ہے، اس پر عمل کرنے سے شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، بلکہ مقاصد شریعت ہی کی تکمیل ہوتی ہے۔

۱۳- شہ بالا بنانا بھی، مذکورہ رسومات ہی کا ایک حصہ ہے، گو اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، لیکن اگر شادیوں کو رسومات کے بغیر اور خاندانوں اور برادریوں کو جمع کیے بغیر، انجام دینا شروع کر دیا جائے، تو کسی کے دل میں شہ بالا بننے کی خواہش پیدا ہوگی نہ کسی کو اس کی ضرورت ہی کا احساس ہوگا۔

۱۴- حق مہر کی مقدار، متعین نہیں ہے، ہر شخص اپنی حیثیت اور طاقت کے مطابق مہر مقرر کر سکتا ہے۔ اور یہ طاقت کے مطابق ہی مقرر کرنا چاہیے، علاوہ ازیں اس کا ادا کرنا بھی نہایت ضروری ہے اور بہتر ہے کہ اسے فوری طور پر ادا کیا جائے۔ بنا بریں اس میں اسراف وغلو بھی جائز نہیں۔ یعنی اتنی بھاری مقدار میں مہر مقرر کر لیا جائے کہ وہ صرف نمائشی ہو اور اسے ادا کرنے کی نیت ہو، نہ اسے ادا ہی کیا جائے۔ اور نہ اتنا کم ہو کہ وہ صرف برائے نام ہی ہو، جیسے لوگوں نے ۳۲ روپے کو شرعی حق مہر بنا رکھا ہے، یہ بالکل بے اصل بات ہے۔ ۳۲ روپے کی آج کل کیا اہمیت ہے، یہ حق مہر نہیں ایک مذاق ہے۔

۱۵- ولیمہ کب کیا جائے؟ یا کب تک کیا جا سکتا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ تاہم دو باتیں واضح ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ نکاح سے پہلے نہیں، بلکہ نکاح اور رخصتی کے بعد

---

(1) اس سے مراد نواز شریف کے دور کا آرڈی ننس ہے جو اس وقت نافذ تھا جس کی رُو سے ولیمے میں بھی کھانا کھلانے کی اجازت نہیں تھی۔

ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اس کا اصل وقت شب زفاف کے بعد ہی ہے' اس کو ترجیح حاصل ہے۔ تاہم اسے موخر بھی کیا جا سکتا ہے۔

۱۶- شادی کے بعد سیر و سیاحت کے لیے جانا یا میاں بیوی کا ماہ عسل (Honey Moon) منانا۔ کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک رواج ہی ہے۔ جس پر کوئی عمل کرے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت بھی بظاہر معلوم نہیں ہوتی۔ تاہم یہ رواج بھی غالباً مغربی ملکوں سے ہمارے یہاں آیا ہے، اگر ایسا ہے تو اس میں تشبہ بالکفار، کا شائبہ ضرور پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم.

۱۷- یہ سوال مبہم ہے، واضح نہیں۔ پتہ نہیں سائل کے ذہن میں کہاں لے جانا مراد ہے؟ اگر نکاح کے لیے لڑکی والوں کے گھر لے جانا مراد ہے (بظاہر یہی بات معلوم ہوتی ہے) تو والدین کے ساتھ اقارب کو لے جانا جائز ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ یہ سلسلہ مختصر ہونا چاہیے۔ لمبی لمبی براتوں کا سلسلہ بھی متعدد مشکلات اور اسراف بے جا کا باعث ہونے کے علاوہ لڑکی والوں کے لیے بھی مشکلات کا باعث ہے۔ ان پر اگر چہ براتیوں کو کھانا کھلانا ضروری نہیں ہے۔ لیکن مہمان نوازی کے طور پر ان کی خاطر تواضع سے مجال انکار بھی نہیں۔ اس لیے اس کا بھی صحیح حل یہی ہے کہ نکاح والے روز والدین، بہن بھائی اور نہایت ضروری اقرباء ہی نکاح کے لیے جائیں، تا کہ لڑکی والوں پر زیادہ بوجھ نہ پڑے اور وہ آسانی سے ان کی مہمان نوازی کر سکیں۔

۱۸- اس کا جواب نمبر ۳ میں گزر چکا ہے۔ ثقافت ، سے مراد عرب ثقافت نہیں ہے، بلکہ اپنے اپنے علاقوں اور ملکوں کی ثقافت (رسم و رواج) ہے۔ اس میں صرف دو چیزیں دیکھنی ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ وہ رسم کسی غیر مسلم قوم کی دیکھا دیکھی تو کسی مسلم علاقے میں رائج نہیں ہوئی؟ اور دوسرے یہ کہ اس میں کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی تو

نہیں پائی جاتی؟ اگر مسلمانوں کے کسی بھی علاقائی رواج میں غیر مسلموں کی مشابہت یا شریعت کی خلاف ورزی کا پہلو نہیں ہے۔ تو ایسے رواجوں پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۹ - جہیز، کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے متعدد شادیاں کیں، لیکن آپ کی ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی اپنے ساتھ جہیز لے کر نہیں آئی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں، آپ نے چاروں کی شادیاں کیں، لیکن آپ نے کسی کو بھی شادی کے موقع پر جہیز نہیں دیا۔ اسی طرح صحابہ کرام میں سے بھی کسی سے اس رواج کی کوئی اصل نہیں ملتی۔ اس اعتبار سے یہ خالص ہندوانہ رسم ہے۔ اس لیے کہ ہندو مذہب میں عورت وراثت کی حق دار نہیں ہے، باپ کی جائیداد کی وارث صرف اولاد نرینہ ہوتی ہے۔ اس بنا پر ہندو شادی کے موقع پر لڑکی کو گھریلو نوعیت کے سامان کی شکل میں اپنی جائیداد میں سے کچھ حصہ دے دیتے ہیں۔

مسلمانوں نے بھی اس رواج کو اختیار کر لیا۔ اس کی وجہ سے وہ متعدد مشکلات کا شکار ہو گئے۔ ایک تو جہیز کو لازمی تصور کر لیا گیا ہے حتی کہ اس کے لیے بھاری قرض بھی لینا پڑے تو لیتے ہیں۔ اور پھر ساری عمر قرض کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں۔ ثانیاً ہندوؤں کی طرح پھر لڑکیوں کو بالعموم وراثت میں سے حصہ نہیں دیتے، بھائی جہیز ہی کو وراثت کا بدل قرار دے کر، بہنوں کو وراثت سے محروم رکھنے کی مذموم سعی کرتے ہیں۔ اس طرح اور بھی متعدد قباحتیں ہیں جو جہیز میں پائی جاتیں ہیں۔ ان میں سے ایک بڑی قباحت یہ ہے کہ مرد منگتا بن جاتا ہے اور وہ لڑکی والوں سے فرمائشی سامان طلب کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے عورتوں پر قوام بنایا ہے، اور اس کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جسمانی اور دماغی قوت وصلاحیت میں عورت سے ممتاز کیا ہے۔ دوسری یہ کہ وہ

عورت پر اپنا مال خرچ کرنے والا ہے۔ یہ مال خرچ کرنا کیا ہے؟ عورت کو مہر دینا۔ اس کے نان ونفقہ کا انتظام کرنا اور شادی کے بھی بیشتر اخراجات برداشت کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت میں مرد کو ولیمہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن لڑکی یا لڑکی کے والدین پر کوئی خرچ نہیں ڈالا گیا ہے۔ بنابریں مرد کی طرف سے جہیز کا مطالبہ کرنا اس کے شیوۂ مردانگی کے بھی خلاف ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بابت جو مشہور ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو جہیز کے طور پر کچھ سامان دیا تھا، یہ یکسر غلط ہے، اس معنی میں جہیز کا لفظ ہی قرآن یا حدیث میں موجود نہیں ہے۔ حضرت فاطمہ کو جو کچھ دیا گیا اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا کوئی گھر بار نہیں تھا۔ نبی کریم ﷺ ہی ان کے کفیل تھے، آپ کے پاس ہی ان کی پرورش ہوئی۔ جب آپ نے اپنی صاحبزادی کے ساتھ ہی ان کا نکاح بھی کر دیا۔ تو گھر بسانے کے لیے چند چیزیں آپ نے انہیں عطا فرمائیں۔ اور وہ حسب ذیل تھیں۔

ایک چادر، ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایک چکی ،ایک مشک اور دو مٹکے۔ (البداية و النهاية' ٣٣٧/٦)

اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ ساری چیزیں نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی ایک چادر فروخت کر کے خریدی تھیں گویا یہ سامان بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی رقم سے تیار ہوا۔

یہ ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کی اصل حقیقت۔ اس کا اور ہمارے مروجہ جہیز کا تقابل کر لیں۔ ان کے درمیان کیا نسبت ہے؟ کیا اس سے ہمارے مروجہ جہیز کا اثبات ہوتا ہے؟ نہیں یقیناً نہیں۔ ان کا آپس میں کوئی تقابل ہی نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں، اپنی اولاد کو عطیہ یا ہبہ دینا، کوئی بری بات تو نہیں۔ یقیناً یہ

بات تو صحیح ہے۔ دوسرے، اپنی اولاد کو عطیے یا ہبے کے طور پر دینا جائز بلکہ مستحب ہے۔ لیکن عطیہ یا ہبہ تو دل کی خوشی سے دیا جاتا ہے۔ دوسرے، اپنی طاقت کے مطابق دیا جاتا ہے۔ تیسرے اس میں کسی کا دباؤ نہیں ہوتا۔ چوتھے اسے وراثت کا بدل نہیں سمجھا جاتا۔ کیا جہیز میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں۔

ہمارے مروجہ جہیز میں تو ہدیہ یا ہبہ والی مذکورہ چیزیں بالکل نہیں پائی جاتیں۔ اس کو تو شادی کا لازمی حصہ بنا دیا گیا ہے، کسی کے پاس طاقت ہے یا نہیں؟ اس سے کسی کو کوئی غرض نہیں۔ بھاری بھر کم جہیز ضرور ہونا چاہیے۔ نہیں تو سسرال میں لڑکی کا جینا دوبھر کر دیا جائے گا۔ اس دباؤ اور مجبوری کی وجہ سے ہر شخص کو بھاری مقدار میں جہیز مہیا کر کے دینا پڑتا ہے۔ چاہے اس کے بعد وہ ساری عمر قرض کے بوجھ تلے کراہتا رہے۔

بہرحال جہیز کے بارے میں معتدل موقف یہی ہے کہ ماں باپ اپنی طاقت کے مطابق تھوڑا یا زیادہ، کچھ دیں، تو یہ یقیناً ایک جائز عمل ہے، لیکن اس میں ایک تو معاشرے کا دباؤ یا لڑکے والوں کی طرف سے مطالبہ نہ ہو۔ دوسرا، اسے وراثت سے محروم کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ تو پھر شاید اس کا جواز نکل آئے اور اسے ہندوانہ رسم قرار نہ دیا جا سکے۔

۲۰- ایک اوقیہ ۴۰ درہم کا ہوتا ہے اس حساب سے ۵۰۰ درہم کا وزن تقریباً ۱۳۱ ۱/۴ تولہ ہوگا۔ ۱۳۱ ۱/۴ تولہ چاندی کی قیمت لگانے سے اس کی قیمت معلوم ہو سکتی ہے۔ تاہم اتنی مقدار میں حق مہر مقرر کرنا ضروری نہیں ہے۔ ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق اس سے کم یا زیادہ مہر مقرر کر سکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۲۱- بیرے بھی غیر محرم ہیں، اس لیے خواتین کو کھانا کھلانے پر ان کا مقرر کرنا صحیح نہیں۔ خاص طور پر بے پردہ عورتوں میں (جیسا کہ بدقسمتی سے آج کل صورت حال ہے)

اس کا کوئی جواز نہیں۔

۲۲ – جو لوگ دین سے دور ہیں۔ ان کی شادیوں میں تو بے حیائی اور بے پردگی کا ایک طوفان برپا ہوتا ہے۔ جیسے مہندی کی رسم میں نوجوان بچیوں کی دھما چوکڑی اور براتوں میں عورتوں کا اس طرح بن سنور کر شریک ہونا جیسے وہ حسن و جمال، یا آرائش و زیبائش یا زرق و برق لباسوں کی نمائش یا مقابلے میں جا رہی ہیں۔ پردے کا یا شرم و حیاء کا وہاں کوئی تصور یا گزر ہی نہیں۔ علاوہ ازیں فضول خرچی کا بھی خوب خوب مظاہرہ ہوتا ہے۔ شادی کارڈوں سے لے کر انواع و اقسام کے کھانوں پر مشتمل دعوت ولیمہ تک۔ اس طرح اسراف بے جا سے کام لیا جاتا ہے کہ شاید شیطان بھی شرما جاتا ہو۔

دین دار لوگوں کی براتوں میں ملا جلا سلسلہ ہوتا ہے۔ اس میں بھی گو اب عورتوں کی اکثریت بے پردہ اور شرم و حیاء کے تصور سے عاری ہوتی ہے، تاہم کچھ پردہ دار خواتین بھی شامل ہوتی ہیں۔ لیکن ان میں بھی اسراف بے جا کے مظاہر عام ہیں اور اسی طرح فضول رسموں سے اجتناب کا داعیہ اور جذبہ بھی ان میں کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ یوں شادی بیاہ کی تقریبات میں دین دار اور غیر دین دار کا فرق و امتیاز ختم ہوتا جا رہا ہے۔ بالخصوص ان دین داروں میں جو اصحاب حیثیت ہیں۔

دین کا صحیح شعور اور دین کا درد رکھنے والے حضرات کے لیے یہ صورت حال ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ آیا کیا وہ اسے اسی طرح خاموشی سے دیکھتے رہیں گے یا اس سلسلے میں انہیں کوئی کردار بھی ادا کرنا ہے؟ راقم کے خیال میں خاموشی ایک جرم عظیم ہے۔ بنا بریں اہل دین کی ذمے داری ہے کہ وہ۔ ع

نوا را تلخ تر می زن چوں ذوقِ نغمہ کم یابی

کے مصداق سخت تر رویہ اختیار کریں اور اپنے حلقۂ اثر اور اپنے بچوں کی شادی بیاہ

کی تقریبات میں سختی کے ساتھ شریعت کے تقاضوں کی پابندی کریں۔ سادگی کو اختیار کریں۔ سماتوں کا سلسلہ ختم کریں۔ اور نکاح کی تقریب میں مختصر افراد شریک ہوں۔ تمام غیر شرعی رسموں اور جدید وقدیم بے ہودگیوں سے بچیں۔ جیسے مہندی کی رسم' ویڈیو فلم کی وبا' چراغاں اور آتش بازی، عورتوں کی بے پردگی' اسراف بے جا وغیرہ۔

جن تقریبات میں ان خرافات کا ارتکاب ہو۔ اگر اہل دین ان کو روک سکتے ہوں تو انہیں سختی سے روکیں۔ بصورت دیگر ایسی تقریبات کا بائیکاٹ کیا جائے۔ چاہے وہ کتنے ہی قریبی یا دوست ہوں۔ اللہ رسول کے احکام ان سب سے بالا ہیں۔ ہمیں دین کی بالا دستی اور اللہ کی رضا عزیز ہونی چاہیے۔ لوگوں کی ناراضی کی پروانہیں کرنی چاہیے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

۲۳ – شادی بیاہ کی رسومات یا ازخود پیدا کردہ ضروریات میں سے، ایک رسم یا ایک ضرورت ''شادی کارڈ'' بھی ہے۔ جس کے ذریعے سے اہل خاندان اور دوست احباب کو شادی میں مدعو کیا جاتا ہے۔ پہلے یہ ضرورت، ایک پوسٹ کارڈ اور زبانی دعوت سے پوری ہو جاتی تھی۔ اب یہ شادی کارڈ شادی کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔

اس کی وجہ بھی شادیوں میں زیادہ سے زیادہ ہجوم جمع کرنے کا جذبہ ہی ہے۔ اگر نکاح کی تقریب اور ولیمے کی دعوت مختصر ہو۔ خاندان کے چند ضروری افراد اور صرف بعض احباب ہی ان میں شریک ہوں تو ظاہر بات ہے کہ پھر خصوصی دعوت ناموں اور شادی کارڈوں کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ لیکن چونکہ یہ سادگی اور اختصار اب کسی کو پسند نہیں۔ اس لیے شادی کارڈ چھپوائے بغیر بھی چارہ نہیں۔

اس لیے اصل ضرورت، شادی بیاہ کی تقریبات کا حجم (سائز) مختصر کرنے کی ہے۔ اگر

لوگ اس کو اختیار کرلیں، تو بہت سی قباحتوں کے ساتھ شادی کارڈ سے بھی بچنا ممکن ہے۔ بصورت دیگر کم ازکم اس میں فضول خرچی سے تو ضرور اجتناب کیا جائے۔ یعنی شادی کارڈ مختصراور سادہ چھپوائے جائیں۔ انہیں زیادہ سے زیادہ خوب صورت اور دیدہ زیب بنانے کے لیے گراں سے گراں تر نہ کیا جائے۔ اس طرح کے گراں قیمت شادی کارڈ سراسر اسراف اور فضول خرچی ہے جس کا کوئی شرعی جواز نہیں۔

ایک اور بے ہودگی شادی کارڈوں میں یہ چل پڑی ہے کہ اپنی قومی زبان۔ اردو۔ کی بجائے اسلام اور مسلمانوں کے شدید دشمن انگریزوں کی زبان میں چھپوائے جانے لگے ہیں۔ یہ بھی ایک چلتا ہوا فیشن اور مقبول عام رجحان ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کو تو یہودیوں اور عیسائیوں سے بغض وعداوت رکھنے کا حکم ہے نہ کہ دوستی اور محبت رکھنے کا۔ اور اپنی گھریلو قسم کی تقریبات میں مدعو کرنے کے لیے بھی ہم دعوت نامے انگریزی زبان میں چھپوائیں، تو یہ اپنے دشمنوں سے، جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا دشمن قرار دیا ہے۔ محبت کا اظہار ہے یا نفرت کا؟ کیا اس طرح ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہایت دیدہ دلیری سے پامال نہیں کررہے ہیں؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ انگریزی بین الاقوامی اور سائنس وٹیکنالوجی کی زبان ہے۔ اسے سیکھے بغیر چارہ نہیں۔ ٹھیک ہے، اس وقت بدقسمتی اور ہماری کمزوری کی وجہ سے، اس کی یہ اہمیت مسلم اور اس کا سیکھنا جائز، بلکہ حکومتی پالیسی کی وجہ سے کسب معاش کے لیے اس کا سیکھنا ضروری ہے۔ لیکن حکومتوں کی مسلط کردہ پالیسی یا دیگر دنیوی ضروریات کے لیے انگریزی زبان کا سیکھنا اور چیز ہے۔ اور اس سے محبت رکھنا اور چیز۔ پہلی بات یقیناً جائز ہے اور اسی لیے کوئی عالم انگریزی زبان کے پڑھنے، سیکھنے بلکہ اس میں مہارت حاصل کرنے کو ناجائز نہیں کہتا۔ لیکن دوسری بات یعنی اس سے محبت رکھنا، اسے اپنا اوڑھنا

بچھونا بنالینا اور اپنی قومی زبان پر اسے ترجیح دینا، اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ قومی غیرت کے بھی خلاف ہے اور شرعی لحاظ سے بھی حرام اور ناجائز۔

انگریزی زبان میں دعوت نامہ چھپوانا، کسی بھی پاکستانی کی بین الاقوامی ضرورت نہیں ہے۔ جو پاکستانی ایسا کرتا ہے وہ قومی بے غیرتی کا بھی مظاہرہ کرتا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے محبت کا والہانہ اظہار بھی۔ اسے اس کا شعور ہو یا نہ ہو، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یوں وہ قومی جرم کا بھی ارتکاب کرتا ہے اور حکم الٰہی کی پامالی کا ارتکاب بھی۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنۡہُ.

۲۴ - ایک اور نہایت قبیح رواج، جو بہت عام ہوگیا ہے، شادی کی تقریبات کا انعقاد رات کو کرنا ہے۔ اس میں بھی غالباً یہ شیطانی فلسفہ کارفرما معلوم ہوتا ہے کہ رات کے اندھیرے میں بجلی کے قمقمے اور چراغاں جو بہار دیتا ہے، وہ دن کی روشنی میں ممکن نہیں۔ اسی طرح آتش بازی کا سماں بھی رات کی تاریکی ہی میں بندھتا ہے اور آتشیں پٹاخوں کے نہایت خوفناک دھماکے بھی رات ہی کو اہل محلّہ کی نیندوں کو خراب کرتے ہیں۔ دن کے شوروشغب میں یہ دھماکے کسی کے آرام وراحت میں زیادہ خلل انداز نہیں ہوسکتے، اور ہم اخلاقی پستی کی جس اتھاہ گہرائی میں جاچکے ہیں، اس کا تقاضا ہے کہ جب تک ہم اہل محلّہ کے آرام وسکون کو برباد نہ کرلیں، ہماری خوشی کی تقریب مکمل نہیں ہوسکتی۔ یعنی دوسروں کے سکون وآرام کو برباد کرنے میں ہمیں راحت محسوس ہوتی ہے۔ ورنہ جس قوم کی اخلاقی حس زندہ اور بیدار ہو، وہ کبھی اتنی اخلاقی پستی کا مظاہرہ نہیں کرسکتی جس طرح ہماری قوم کرتی ہے۔ رات کے دو بجے برات واپس آتی ہے تو آتشیں پٹاخوں کے دھماکوں سے سارے محلے کے لوگوں کی نیندیں خراب کردی جاتی ہیں۔

۲۵ - علاوہ ازیں، رات کی ان تقریبات میں وقت کا جو ضیاع ہوتا ہے، وہ بھی

اس قوم کی بے فکری، بے شعوری اور اخلاقیات سے عاری ہونے کی غمازی کرتا ہے۔ بھلا جس نکاح یا ولیمے کی تقریب کے لیے ۸، یا ۹ بجے کا وقت کارڈ پر لکھا ہو، اس کا آغاز رات کے ۱۲ یا ایک بجے سے پہلے نہ ہو، تو یہ رواج یا عادت اچھی ہے یا بری؟ اس میں اخلاقی ذمے داری کا احساس پایا جاتا ہے یا اس سے خوفناک بے اعتنائی؟ ذرا تصور کیجئے ان لوگوں کی کوفت، تکلیف اور ان کے ضیاع وقت کا، جو دعوت نامے کے مطابق وقت پر تشریف لے آئیں۔ لیکن انہیں ان لوگوں کے انتظار میں جو ۳، یا ۴ گھنٹے تاخیر سے آئیں۔ ۳، ۴ گھنٹے انتظار کی سولی پر لٹکائے رکھا جائے۔

ذرا سوچیے! وقت پر آنے والے سزا کے مستحق ہیں یا غیر معمولی تاخیر سے آنے والے؟ لیکن ہمارے ہاں الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔ کئی کئی گھنٹے تاخیر سے آنے والوں کی سزا، وقت کے ضیاع اور ''الانتظار اشد من الموت'' کے کرب وقلق کی صورت میں، وقت پر آنے والوں کو بھگتنی پڑتی ہے۔ ان سب پر مستزاد رات کو اتنی تاخیر سے سونے کے بعد، فجر کی نماز کے لیے اٹھنا بھی ناممکن سا ہے۔ گویا نماز فجر بھی گئی۔ اسی طرح اتنی تاخیر سے واپسی پر ان لوگوں کو جو پریشانی ہوتی ہے جن کے پاس اپنی سواری وغیرہ نہیں ہوتی، اور رات کی تاریکی میں ڈاکوؤں اور لٹیروں کے ہتھے چڑھ جانے کے امکانات بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ بہر حال جس لحاظ سے بھی دیکھا جائے، راتوں کو ان تقریبات کا انعقاد غیر صحیح ہے۔ کم از کم دین دار حضرات کو اس قبیح رواج اور رسم سے سختی سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ نبی ﷺ کی بابت آتا ہے کہ آپ کو رات کو عشاء سے قبل سونا اور عشاء کے بعد باتیں کرتے رہنا، ناپسند تھا۔ (صحیح بخاری' المواقیت' باب مایکرہ من النوم قبل العشاء ...... حدیث : ۵۶۸)

اس حدیث کی روشنی میں بھی اگر دوسری باتوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو راتوں کو

شادی کی تقریبات کا کوئی جواز نہیں رہتا۔

تاہم چراغاں اور آتش بازی وغیرہ رسومات سے بچتے ہوئے' نکاح' تواضع اور رخصتی کی ساری کارروائی۔ وقت کی پابندی کرتے ہوئے۔ مغرب کے فوراً بعد سے لے کر عشاء کے وقت تک کر لی جائے' تو پھر چونکہ مذکورہ قباحتیں پیدا نہیں ہوتیں' اس لیے رات کے پہلے پہر میں ان تقریبات کے جواز میں شک کی گنجائش نہیں۔ ھذا ما عندی واللّٰہ اعلم بالصواب

(صلاح الدین یوسف' مئی ۲۰۰۲ء)



-۳-

اسلام میں برات کا کوئی تصور نہیں

ایک استفتاء کا جواب

ذیل کا فتویٰ ۱۹۸۷ء کا تحریر کردہ ہے جو علامہ احسان الٰہی ظہر شہید کے والد محترم جناب حاجی شیخ ظہور الٰہی رحمہ اللہ کے استفسار پر تحریر کیا گیا تھا۔ یہ بزرگ نہایت متقی، شریعت کے بڑے پابند اور دینی غیرت وحمیت سے سرشار تھے۔ علامہ مرحوم کی شہادت کے بعد ان کی بیٹی کی شادی کے موقعے پر حاجی صاحب مرحوم نے نہایت سختی سے برات کے تصور کی نفی کی، بالخصوص اس میں عورتوں کی شرکت کو بالکل ردّ کر دیا۔

اس موقعے پر بعض حضرات نے حاجی صاحب مرحوم کے طرزِ عمل کو تشدد پر محمول کر کے اس پر تنقید کی اور اسے ناروا قرار دیا۔ اس پس منظر میں بعض علماء سے استفسار کیا گیا، جن میں یہ راقم بھی شامل تھا، راقم نے اس وقت جو جواب دیا تھا، اتفاق سے اس کی فوٹو کاپی پرانے کاغذات میں سے نکل آئی۔ مناسب معلوم ہوا کہ اسے بھی شائع کر دیا جائے۔ سوالات، نہیں مل سکے، تاہم جوابات سے سوالات کی نوعیت از خود واضح ہو جاتی ہے۔ (ص-ی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الوھاب

۱- سربراہِ خاندان کا جذبہ نہایت نیک اور بہت قابل قدر ہے۔ نیز اب دینداروں میں بھی دین و شریعت کے احکام کے بارے میں جو مداہنت آتی جارہی ہے' اس کے پیش نظر سربراہ مذکور کی سختی بھی اس کے ایمان کی پختگی اور دینی غیرت و حمیت کی آئینہ دار ہے۔ کَثَّرَ اللّٰہُ اَمْثَالَھُمْ فِیْنَا.

برات کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے۔ یہ سارا تصور غیر مسلموں سے اختلاط و مباشرت کا نتیجہ ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ گھر کے ضروری افراد خاموشی سے جائیں اور بالکل سادگی کے ساتھ نکاح پڑھ کے لڑکی کو اپنے ہمراہ لے آئیں۔ صرف نکاح کا اعلان ضروری ہے۔ اور وہ طرفین کے گھر والوں کے سامنے ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد لڑکے کے لیے ولیمہ اپنی استطاعت کے مطابق کرنا ضروری ہے۔ اس میں بھی اسراف' نمود و نمائش اور زیادہ تکلفات شریعت کی روح کے خلاف ہے۔

بہر حال برات کے لیے ساری برادری' احباب اور تعلق داروں کو اکٹھا کرنا اور لڑکی والوں کے گھر لاؤ لشکر کے ساتھ پہنچنا غیر ضروری اور فضول رسم ہے۔ اس کو ختم کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

سربراہ خاندان کی طرف سے یہ پابندی کہ صرف متقی اور پرہیز گار آدمی ہی آئیں۔ اس کی ضرورت بھی غالباً اسی لیے پیش آئی ہے کہ عام طور پر زیادہ سے زیادہ

لوگوں کو جمع کر کے برات کی صورت میں لے جایا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جیسے بینڈ باجے‘ آتش بازی‘ ہاروں کا سلسلہ‘ پھر بھانڈ گویوں کی ویلیں وغیرہ وغیرہ۔

اگر برات کا تصور ختم کر دیا جائے تو یہ خرابیاں ازخود ختم ہو جائیں۔ لوگوں کا ان تمام چیزوں کی طرف رجحان اسی لیے ہوتا ہے کہ ان تمام بے ہودہ رسموں سے لطف اندوز ہونے والے براتی کثیر تعداد میں ہوتے ہیں۔ اگر افراد کی یہ کثرت ختم ہو جائے تو ان فضول رسموں سے بہ آسانی بچا جا سکتا ہے۔ بنابریں پرہیز گار آدمیوں کی پابندی اگرچہ مشکل ہے اور موجودہ حالات میں اس پر بہت سے لوگ شاید ناک بھوں بھی چڑھائیں لیکن سربراہ موصوف کا جذبہ ؎

نوارا تلخ ترمی زن چوں ذوقِ نغمہ کم یابی

کا مصداق ہے۔ اس لیے اس پابندی کو بھی بالکل غلط نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اس پابندی کا اہتمام کر لیا جائے تو بہت ہی اچھا ہے۔

۲- مستورات پر پابندی بھی نہایت مستحسن اور بغایت ضروری ہے۔ آج کل عورتوں نے شادی بیاہ کے موقعے پر بے پردگی‘ بے حیائی اور اپنے جسمانی ونسوانی حسن کی نمائش کو جس طرح شعار بنا لیا ہے‘ اس کے پیش نظر یہ پابندی نہایت ضروری ہو گئی ہے‘ کسی بھی غیرت مند مسلمان کے لیے عورتوں کا یہ طور طریق قابل برداشت نہیں ہے۔ جبکہ مسلمانوں کی اکثریت اس دینی غیرت وحمیت سے عاری ہو گئی ہے تو سربراہِ مذکورہ جیسے غیرت مند مسلمانوں کا وجود بسا غنیمت ہے۔ ایسے بزرگوں کی قدر کرنی چاہیے اور ان کے جذبات کو عام کرنا چاہیے نہ کہ ان کو استہزا و استخفاف کا نشانہ بنایا جائے۔

۳- زمانۂ نبوت میں برات کا کوئی ثبوت راقم کے علم میں نہیں ہے۔

۴- دولھا کے رشتہ داروں اور برادری کا خیال رکھنے سے مطلب اگر یہ ہے کہ وہ جو کہیں، ان سب پر عمل کیا جائے تو شرعاً یہ بات صحیح نہیں۔ صرف انہی باتوں کو تسلیم کیا جا سکتا ہے جن میں شرعاً کوئی قباحت نہ ہو۔ عام طور پر دولھا کے رشتے دار یا برادری کے لوگ رسم و رواج اور غیر شرعی طریقوں پر اصرار کرتے ہیں اس لیے ایسے مشوروں کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھنا چاہیے۔ البتہ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے وہ مشورہ دیتے ہیں تو انہیں تسلیم کرنا چاہیے۔

بہر حال مذکورہ سوالات میں سربراہِ خاندان، جو رسم و رواجِ دنیا سے بچ کر، لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہے، اس کا موقف صحیح اور شریعت کے مطابق ہے اور دیگر لوگوں کا موقف شرعی لحاظ سے محلِ نظر ہے۔

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج کل وہ افراد بھی، جو کبھی عمل بالحدیث اور رسم و رواج سے اجتناب میں معاشرے اور برداری میں نہایت ممتاز سمجھے جاتے تھے، اب انہوں نے اپنی امتیازی حیثیت کو ختم کر دیا ہے اور وہ بھی اب شادی بیاہوں میں تمام بے ہودہ رسموں کو پورا کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کا عمل بالحدیث صرف مسجد کی چار دیواری تک محدود رہ گیا ہے، اور شادیوں میں عمل بالحدیث کی اہمیت و ضرورت نظرانداز ہوتی جا رہی ہے۔

اس صورت حال پر جتنا بھی دکھ کا اظہار کیا جائے، کم ہے، ہم نئی پود کو یہ کہنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے اسلاف کی روش پر قائم رہے، رسم و رواج سے اجتناب برتے، اپنی عورتوں کو پردہ کا پابند بنائے اور زندگی کے ہر موڑ پر زیادہ سے زیادہ عمل بالحدیث کا اہتمام کرے۔ اس کی امتیازی حیثیت تب ہی برقرار رہے گی، بالخصوص شادیوں کے موقعوں پر

تمام بے ہودہ رسموں سے اجتناب کیا جائے' بے پردگی سے بچا جائے' تصویر بازی سے گریز کیا جائے اور ڈھول باجوں اور ناچ گانوں کے بڑھتے اور پھیلتے طوفان سے آپ بھی بچیں اور اپنے گھر کے افراد اور دیگر حلقہ اثر کے لوگوں کو بھی بچائیں۔ ع

لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

(بانگِ درا' نظم: دنیائے اسلام)

صلاح الدین یوسف

دارالدعوۃ السّلفیہ' شیش محل روڈ' لاہور۔

29 نومبر 1987ء



-۴-

کیا موسیقی حلال ہے؟ ایک گلوکار ''مفتی'' کے فتوے کا جائزہ

فتوے کا جائزہ اور حرمت کے دلائل

گانے بجانے کا رواج بھی' ہماری شادی بیاہوں میں ایک لازمی جزء کے طور پر چلا آ رہا ہے اور اب اس میں پیشہ ور گلوکار (مرد اور عورتیں) شامل ہو گئے ہیں۔ یوں میوزیکل شو کا رواج بھی' دین سے بے بہرہ یا دین سے بے نیاز حضرات کی شادیوں میں بڑھتا جا رہا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گانے بجانے اور موسیقی کی شرعی حیثیت بھی واضح کر دی جائے۔ کیونکہ بعض لوگ شادی کے موقعے پر ان چیزوں کو جائز سمجھتے ہیں۔ بلکہ اب تو ایسے ''مفتی'' بھی پیدا ہو گئے ہیں جو مطلقاً اس کے جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں۔

یہ مضمون بھی ایک ایسے ہی ''مفتی'' گلوکار کے جواب میں ہے جس نے علماء کو چیلنج کیا تھا کہ وہ موسیقی کو ناجائز ثابت کر کے دکھا دیں' تو میں گلوکاری چھوڑ دوں گا۔ لیکن جس اخبار نے یہ چیلنج شائع کیا' اس نے حرمت کے دلائل پر مشتمل یہ جواب شائع نہیں کیا' حالانکہ یہ اخبارات جمہوریت اور تحریر و تقریر کی آزادی کے علم بردار بنے پھرتے ہیں۔ بہر حال اب مذکورہ چیلنج کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

(ص-ی)

ایک گلوکار سلمان احمد کا ایک بیان روزنامہ ''نیا اخبار'' لاہور (۱۹ اپریل ۲۰۰۲ء) میں

شائع ہوا ہے کہ اسلام میں موسیقی حرام نہیں ہے اور انہوں نے علماء کو چیلنج کیا ہے کہ اگر وہ اسے حرام ثابت کر دیں گے تو وہ گانا گانا چھوڑ دیں گے۔ لیکن چیلنج دینے کے باوجود انہوں نے اپنے دعوے کی دلیل کوئی پیش نہیں کی۔ صرف یہ دلیل دی ہے کہ یہ بھی ایک جدید ایجاد ہے۔ لیکن محض جدید ایجاد ہونا تو کوئی دلیل نہیں' ایجادات تو ہر دور میں ہوتی رہی ہیں اور ہوتی ہی رہیں گی۔ ایجاد کا مطلب ہے معرض وجود میں آنا' یعنی ایک نئی چیز کی تخلیق۔ پھر اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک بالکل نو ایجاد چیز' جس کا پہلے کوئی تصور تھا نہ وجود' جیسے ہوائی جہاز' ریل گاڑی اور بے شمار چیزیں۔

دوسری قسم کی ایجادات وہ ہیں جو کسی نہ کسی انداز میں پہلے سے موجود چلی آ رہی ہیں لیکن سائنس کی ترقی نے ان کو ایک نئی شکل دے دی اور اس کی استعداد اور صلاحیت یا اثر انداز ہونے کی قوت میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا۔ جیسے پہلے دستی پنکھا تھا' اب برقی پنکھا ایجاد ہو گیا' پھر اس سے بھی بڑھ کر ائیر کنڈیشنر کی ایجاد ہے۔ وعلیٰ هذا القياس. اس قسم کی متعدد چیزیں ہیں۔

ان دونوں قسم کی ایجادات کے بارے میں علماء مطلقاً جواز کا فتویٰ دیتے ہیں' نہ عدم جواز کا۔ بلکہ وہ دیکھتے ہیں کہ ان کا مقصد محض تمدنی سہولتوں میں اضافہ اور ان کا حصول ہے اور ان سے کسی نص شرعی کا تصادم ہوتا ہے نہ اسلام کے اصول و مفادات سے کوئی تعارض۔ تو وہ ایسی ہر نو ایجاد چیز کو جائز قرار دیتے ہیں۔ آج ہماری زندگی میں ایسی بے شمار چیزیں ہیں جو ہم استعمال کرتے ہیں لیکن کسی عالم نے انہیں ناجائز اور حرام نہیں کہا' بلکہ وہ خود بھی ان سے فائدہ اٹھاتے اور بلاتأمل انہیں اپنے استعمال میں لاتے ہیں' حالانکہ وہ عصر حاضر کی ایجادات ہیں' اس لیے محض نو ایجاد ہونا' اس کے حرام ہونے کا باعث نہیں ہے۔

البتہ ان چیزوں کو علماء حرام اور ناجائز کہتے ہیں' چاہے وہ نئی ہوں یا پرانی یا کسی قدیم چیز کا نیا قالب اور نیا پیکر' جو قرآن و حدیث کی کسی نص سے متصادم ہوں یا اسلام کے اصول و مقاصد کے خلاف ہوں۔

اس نقطۂ نظر سے جب ہم موسیقی کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے' البتہ موجودہ دور میں اسے ایک نیا پیکر عطا کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ سامنے آتی ہے کہ اس ایجاد یا آلہ کا تعلق گانے بجانے کی صنف سے ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ اس کا مقصد سفلی جذبات کا بھڑکانا اور حیوانی جبلت کو ابھارنا ہے۔

یہ موسیقی' طبلہ' سارنگی' ڈھول' بربط ساز یا بانسری وغیرہ جیسی چیزوں کی ایک نئی شکل ہے جسے آج کل کے شیطانی دماغوں نے نہ صرف ایک حسین پیکر عطا کیا ہے بلکہ اس کی متاثر کن صلاحیت میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں اس کا تعلق عشقیہ اور بازاری قسم کے گانوں سے ہے جو ان کے بازاری پن کو اور زیادہ کر دیتی ہے۔ اسی طرح اس سے سفلی جذبات بھی بھڑکتے اور حیوانی جبلت بھی ابھرتی ہے۔ گویا موسیقی کے اندر حرمت کی تین وجوہ پائی جاتی ہیں۔

اوّل یہ کہ یہ گانے بجانے کے اُن آلات میں سے ہے جن کی حرمت کی صراحت احادیث اور آثارِ صحابہ میں موجود ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو فرمایا ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشْتَرِى لَهْوَ ٱلْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُو۟لَـٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝٦ ﴾ (لقمان ۳۱/ ۶)

''اور بعض لوگ وہ ہیں جو لغو باتیں خریدتے ہیں' تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکائیں اور اس راہ ہدایت کو ٹھٹھا مذاق بنالیں۔ ایسے لوگوں کے لیے

رسوا کن عذاب ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں اہل سعادت کے ذکر کے بعد' جو کتابِ الٰہی سے راہ یاب اور اس کے سماع سے فیض یاب ہوتے ہیں' ان اہل شقاوت کا بیان ہو رہا ہے جو کلامِ الٰہی کے سننے سے تو اعراض کرتے ہیں۔ البتہ ساز و موسیقی' نغمہ و سرود اور گانے وغیرہ خوب شوق سے سنتے اور ان میں دلچسپی لیتے ہیں' خریدنے سے مراد یہی ہے کہ آلات طرب شوق سے اپنے گھروں میں لاتے اور پھر ان سے لذت اندوز ہوتے ہیں۔

''لہو الحدیث'' کے لغوی معنی ہیں' ایسی بات یا چیز جو آدمی کو اپنے اندر مشغول کر کے دوسری باتوں اور چیزوں سے مشغول کر دے۔ اس آیت کی شان نزول میں عام مفسرین نے نضر بن حارث کا واقعہ نقل کیا ہے کہ اس نے گانے بجانے والی لونڈیاں اس مقصد کے لیے خریدی تھیں کہ اسلام کی طرف مائل ہونے والے لوگوں کو اس طرف لگا کر اسلام سے ہٹانے کی کوشش کرے گا' چنانچہ وہ راگ رنگ کی محفلیں (یعنی شام موسیقی) منعقد کرتا تا کہ لوگوں کی توجہ قرآن سے ہٹ جائے اور وہ ان فضولیات میں مست رہیں۔ (سیرت ابن ہشام' ج:۱' ص:۳۲)

اسی لیے صحابہ کرام نے لہو الحدیث سے گانا ہی مراد لیا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اس آیت میں لہو الحدیث سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے تین مرتبہ زور دے کر اور قسم کھا کر کہا ''هُوَ وَاللّٰهِ الْغِنَاءُ'' ''اللہ کی قسم! اس سے مراد گانا ہے۔'' (تفسیر ابن جریر طبری)

دیگر صحابہ کرام سے بھی اس کی یہی تفسیر منقول ہے۔ شان نزول کے مذکورہ واقعے اور صحابہ کی تفسیر سے واضح ہوتا ہے کہ لہو الحدیث سے مراد گانا بجانا' اس کا ساز و سامان اور آلات' ساز و موسیقی اور ہر وہ چیز ہے جو انسانوں کو خیر اور معروف سے غافل کر دے۔ اس

میں قصے' کہانیاں' افسانے' ڈرامے' ناول اور جنسی اور سنسنی خیز لٹریچر' رسالے اور بے حیائی کے پرچارک' اخبارات' سب ہی آ جاتے ہیں اور جدید ترین ایجادات ریڈیو' ٹی وی' وی سی آر' ویڈیو فلمیں' انٹرنیٹ کے فحش پروگرام وغیرہ بھی۔

ان سب کا مقصد لوگوں کو خیر اور نیکی سے روک کر بدی کی راہ پر لگانا اور شیطانی کاموں میں مست رکھنا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان سے وابستہ اداکارائیں' گلوکار اور گلوکارائیں اور فلمی ستارے سب کے سب وہی ہیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں' بلکہ دین کا استہزا اڑانے والے ہیں' بلکہ ان کے پروگراموں کو شوق سے دیکھنے والے بھی وہی ہیں جو دین سے بے بہرہ اور دین سے بے تعلق ہیں۔ یہ ساری چیزیں دین سے بے خبر رکھنے اور بے حیائی کے کاموں میں مست رکھنے میں نہایت مؤثر کردار ادا کرتی ہیں اور کر رہی ہیں۔ لیکن اس کے لیے دین کا شعور اور بصیرت کی آنکھیں ضروری ہیں۔ ورنہ ع دیدۂ کور کو کیا آئے نظر' کیا دیکھے؟ والی بات ہے۔

بہرحال قرآن کریم کی مذکورہ آیت سے موسیقی اور اس کے متعلقات کی حرمت کا اثبات ہوتا ہے' جیسا کہ صحابہ و تابعین نے اس سے سمجھا' جن کے سامنے قرآن کریم نازل ہوا اور جو اس کے اوّلین مخاطب تھے اور یہ مسلّمہ بات ہے کہ تفسیر قرآن میں سب سے زیادہ اہمیت احادیث اور صحابہ و تابعین کے اقوال ہی کو حاصل ہے۔

اب شریعت کے دوسرے ماخذ حدیث نبوی کو دیکھیے کہ اس میں گانے بجانے کے آلات کے بارے میں کیا کہا گیا ہے؟ اس سلسلے میں متعدد احادیث' کتب احادیث میں موجود ہیں۔ ہم اس وقت صرف دو صحیح ترین احادیث ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ،

وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ»(صحیح البخاري، الأشربة، باب ماجاء فیمن یستحل الخمر ویسمیه بغیر اسمه، ح: ۵۵۹۰)

''میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو زنا کو، ریشمی لباس کو، شراب کو اور گانے بجانے (موسیقی) کے آلات کو حلال قرار دے لیں گے۔''

''معازف'' گانے بجانے کے آلات کو کہا جاتا ہے، اس میں قدیم و جدید جتنے بھی آلات طرب ہیں، ڈھول، طبلہ، سارنگی، بربط، ساز اور موسیقی کے نئے نئے ساز و سامان سب اس میں شامل ہیں، بلکہ قیامت تک بننے والے سامان، جن کا تعلق اس صنف سے ہوگا، وہ اس میں داخل ہوں گے اور اس حدیث کی رُو سے وہ سب حرام ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکورہ چیزوں کی حرمت کے ساتھ ساتھ یہ پیش گوئی بھی ہے کہ نبی ﷺ کے کچھ امتی یعنی مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے ایسے بھی ہوں گے جو مذکورہ حرام چیزوں کا نام بدل کر انہیں اپنے طور پر حلال کرلیں گے۔

آج اس پیش گوئی کی صداقت بہ چشم سر دیکھی جا سکتی ہے، شراب کی حلت کے دلائل دیے جا رہے ہے، زنا کاری کو دوستانہ تعلق (فرینڈ شپ، گرل فرینڈ، بوائے فرینڈ) کہہ کر جائز سمجھا جا رہا ہے اور گانے بجانے کے آلات کو میوزک یا پاپ میوزک اور موسیقی وغیرہ ناموں سے معنون کر کے انہیں نہ صرف جائز قرار دیا جا رہا ہے بلکہ ان کو حرام قرار دینے والے قرآن و حدیث کے ماہرین کو جاہل قرار دے کر انہیں چیلنج کیا جا رہا ہے کہ ان کی حرمت دکھاؤ، کہاں ان کو حرام کہا گیا ہے؟

یہ بالکل ایسے ہی جیسے بعض حضرات نے کہا کہ ہمیں دکھاؤ، شراب کو قرآن میں کہاں حرام کہا گیا ہے؟ اور یہ حقیقت ہے کہ شراب کے لیے قرآن میں حرام کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔ بلکہ اسے ''رِجْسٌ'' (پلیدی) اور شیطانی کام کہا گیا ہے جس سے ایک

مسلمان سمجھ جاتا ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ پلید چیز حلال نہیں ہوسکتی' شیطانی کام حلال نہیں ہو سکتا' جس سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو باز رہنے کی تاکید کرے' وہ کام حلال نہیں ہوسکتا۔ اس کے باوجود کوئی شخص سلمان احمد گلوکار کی طرح چیلنج کرے کہ قرآن مجید میں شراب کی حرمت کا کہیں ذکر نہیں ہے' تو اس کی قرآن فہمی اور دین فہمی قابل ماتم ہی ہوگی۔ ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْجَرَسُ مَزَامِيرُ الشَّيْطَانِ»(صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب كراهة الكلب والجرس في السفر، ح: ٢١١٤)

''گھنٹی شیطان کے باجے ہیں۔''

((جَرَس)) اس گھنٹی کو کہا جاتا ہے جو اونٹ وغیرہ کے گلے میں باندھی جاتی ہے' جس سے ٹن ٹن کی آواز آتی رہتی ہے۔ جب حدیث میں جانور کے گلے میں بندھی گھنٹی کو شیطان کے باجے کہا گیا ہے' تو دوسرے باجے یا موسیقی' جو سب سے بڑھ کر ہے' کیسے جائز ہوگی؟ اسی طرح احادیث میں ((قَينَات)) کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ قَينَات' گانے بجانے والی لونڈیوں کو کہا جاتا ہے اور اس زمانے میں یہ کام صرف لونڈیاں ہی کرتی تھیں' کوئی شریف اور آزاد خاندانی عورت یہ کام نہیں کرتی تھی۔ گویا احادیث میں گانے بجانے کو بھی ناجائز کہا گیا ہے' گانے بجانے کے آلات کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے اور اس پیشے سے وابستہ لونڈیوں کی بھی مذمت کی گئی ہے اور ان کی کمائی کو حرام کہا گیا ہے۔ اس کے باوجود ''مفتی'' سلمان احمد گلوکار کا فتویٰ ہے کہ اسلام میں موسیقی حلال ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن.

ایسے ہی مفتیوں کے لیے علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

خود بدلتے نہیں' قرآں کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

یـــا

قرآن کو بازیچۂ اطفال بنا کر چاہے تو خود اِک تازہ شریعت کرے ایجاد

یہ قرآن وحدیث کی وہ تصریحات ہیں جو موسیقی کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان نصوص شریعت کی وجہ سے علماء کا اس کے حرام ہونے پر اتفاق ہے' جس کی تفصیل اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں موجود ہے۔

دوسری وجہ اس کی حرمت کی یہ ہے کہ اس پیشے کو اپنانے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جن کا دین وشریعت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور اسی طرح اس میں دلچسپی بھی صرف وہی لوگ لیتے ہیں جو دین وشریعت سے بالعموم بے بہرہ یا اس پر عمل کرنے کے جذبے سے محروم ہوتے ہیں۔ کوئی دیندار اس پیشے کو اختیار کرتا ہے اور نہ اسلام پر عامل شخص اس میں دلچسپی ہی رکھتا ہے۔ جس سے اسی بات کا اثبات ہوتا ہے کہ گانے بجانے کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

تیسری وجہ موسیقی کی حرمت کی' اس کے وہ اثرات ہیں جو انسان کے اخلاق وکردار پر اس سے پڑتے ہیں اور وہ ہے بے حیائی' سفلی اور حیوانی جذبات کی نشو ونما اور اس طرح کے دیگر غیر اخلاقی اثرات۔ چنانچہ ایک مشہور مقولہ ہے اَلْغِنَاءُ رُقْیَةُ الزِّنَا ''گانا بدکاری کا منتر ہے'' جب کہ اسلام انسانوں میں اس کے برعکس روحانی جذبات اور ملکوتی صفات ابھارتا اور ان کی نشو ونما کرتا ہے۔

مذکورہ تین وجوہ سے موسیقی کے حرام ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ اس کے بعد بھی کوئی شخص اس کے جواز کا دعویٰ کرتا ہے تو اسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔

دف بجانے اور قومی گیت گانے کی حیثیت : البتہ احادیث سے دو باتوں کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک دف بجانے کا اور دوسرے' ایسے گیتوں اور شعروں کے گانے اور پڑھنے کا جن

میں خاندانی شرف ونجابت کا اور آباء و اجداد کے قومی مفاخر کا تذکرہ ہو۔ لیکن ساری متعلقہ صحیح احادیث سے ان دونوں باتوں کی جو نوعیت معلوم ہوتی ہے' اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱. خاص موقعوں پر دف بجایا اور قومی گیت گایا جاسکتا ہے' جیسے شادی بیاہ کے موقع پر یا عید وغیرہ پر۔ جس کا مقصد نکاح کا اعلان کرنا اور خوشی کا اظہار کرنا ہے۔
۲. یہ کام صرف چھوٹی یعنی نابالغ بچیاں کرسکتی ہیں۔ بالغ عورتوں کو ان کاموں کی اجازت نہیں ہے۔
۳. یہ کام نہایت محدود پیمانے پر ہو۔ محلے کی یا خاندان اور قبیلے کی بچیوں کو جمع نہ کیا جائے۔
۴. علاوہ ازیں ان کاموں کی صرف اجازت ہے' ان کی حیثیت فرض و واجب اور امر لازم کی نہیں ہے۔
۵. اور یہ اصول بھی مسلّمہ ہے کہ ایک امر جائز' حدود وضوابط کے دائرے میں نہ رہے اور اس کا ارتکاب بہت سے محرمات ومنہیات تک پہنچادے' تو ایسی صورتوں میں وہ امر جائز بھی ناجائز اور حرام ہو جائے گا۔

اس وقت مسلمانوں کی اپنے مذہب سے وابستگی اور اس پر عمل کرنے کی جو صورت حال ہے' وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اس لیے شادی بیاہ کے موقعوں پر وہ اللہ رسول کے احکام کو بالکل پس پشت ڈال دیتے ہیں اور محرمات ومنہیات کا نہایت دیدہ دلیری سے ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ مہندی کی رسم اور اس میں نوجوان بچیوں کا ناچنا گانا' وڈیو اور موی فلمیں بنانا' بے پردگی اور بے حیائی کا ارتکاب' بینڈ باجے' میوزیکل دھنیں اور میوزیکل شو' آتش بازی وغیرہ۔

یہ سب کیا ہیں؟ یہ سب غیروں کی نقالی اور اسلامی تہذیب و روایات کے خلاف ہیں۔ اسلام سے ان کا کوئی تعلق ہے نہ ہوسکتا ہے۔

موسیقی بھی محرمات میں سے ہے لیکن بدقسمتی سے یہ بھی عام ہوتی جا رہی ہے جو قوموں کے عروج و زوال کے اسباب جاننے والے اہل خبر کے نزدیک نہایت خطرناک ہے۔ علامہ اقبال نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے؂

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

یہ صورت حال اسی امر کی تائید کرتی ہے کہ موجودہ حالات میں دف بجانے اور قومی گیت گانے کی بھی اجازت نہیں دی جا سکتی کیونکہ کوئی بھی شریعت کی بتائی ہوئی حد تک محدود نہیں رہتا اور محرمات تک پہنچے بغیر کسی کی تسلی نہیں ہوتی۔ بنابریں سدّ اُللذریعہ یہ جائز کام بھی اس وقت تک ممنوع ہی قرار پائے گا جب تک قوم اپنی اصلاح کر کے شریعت کی پابند نہ ہو جائے اور شریعت کی حد سے تجاوز کرنے کی عادت اور معمول کو ترک نہ کردے۔



-۵-

شادی آرڈی ننس کے بارے میں شرعی عدالت کا استفسار

مکرمی ومحترمی جناب مولانا صلاح الدین یوسف صاحب

جامع سلفیہ اہلحدیث، مصطفیٰ آباد، دھرم پورہ، لاہور

شریعت درخواست نمبر 11 / آئی آف 2002ء

ڈاکٹر محمد یعقوب بھٹی بنام حکومت پاکستان

عنوان: شادی بیاہ کی تقریبات میں ظاہری نمود ونمائش اور بے جا اسراف پر پابندی سے متعلق قانون مجریہ 2000ء کی دفعات 4(1)`5`6 اور 7-

اَلسَّلامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُه

درخواست گزار نے شادی بیاہ کے موقع پر بے جا اسراف ونمود ونمائش پر پابندی سے متعلق قانون مجریہ 2000 کی دفعات 4(1)`5`6 اور 7 کو احکام اسلام سے متعارض ہونے کی بنا پر عدالت ہذا کے سامنے چیلنج کیا ہے۔ ان کا مدعا یہ ہے کہ اسلام میں اس قسم کی تقریبات واخراجات پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ آنجناب کا اسم گرامی عدالت ہذا کے مشیران فقہ کی لسٹ میں شامل ہے۔ عدالت یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ مندرجہ بالا دفعات سے متعلق آنجناب کی فاضلانہ رائے سنی جائے۔ اس سلسلے میں متعلقہ قانون اور درخواست کی کاپیاں ارسال خدمت ہیں۔

براہ کرم متعلقہ قانون سے متعلق اپنا تحریری مقالہ قرآن وسنت کی روشنی میں تیار فرما کر زیر دستخطی کو ایک ماہ کے اندر بھیج دیں۔ سماعت کی تاریخ مقرر ہونے پر آنجناب کو عدالت کی معاونت کے لیے دوبارہ زحمت دی جائے گی۔

فضل الٰہی قاضی

سینئر ایڈوائزر

وفاقی شرعی عدالت، پاکستان

فون : 9203145



متعلقہ قانونی دفعات کا خلاصہ بزبان اردو

دفعہ : 4 (1)

کسی شخص کو اپنی یا کسی اور کی شادی کی تقریب میں، جو ہوٹلوں، ریسٹورنٹوں، شادی ہال یا کمیونٹی سنٹر میں منعقد ہو رہی ہو، شرکت کرنے والوں کے لیے صرف مشروبات کے علاوہ کھانا پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

دفعہ : 5

وہ شخص جو ہوٹل، ریسٹورنٹ، شادی ہال، کمیونٹی سنٹر کا مالک یا مینجر ہو، انہیں شادی کی تقریب میں شرکت کرنے والوں کے لیے کھانا، طعام وغیرہ پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ مہمانوں کی تواضع مشروبات سے کی جائے گی۔

دفعہ : 6

جو شخص ان احکام کی خلاف ورزی کرے گا۔ وہ قابل سزا مجرم ہوگا۔ انہیں ایک ماہ کی قید محض یا جرمانے کی سزا دی جائے گی۔ جو کہ ایک لاکھ سے کم اور پانچ لاکھ سے زیادہ نہ ہوگا۔ اس آرڈی ننس کے تحت یہ جرائم قابل دست اندازی پولیس نہیں ہوں گے۔



شرعی عدالت کے مذکورہ استفسار کا جواب

شادی بیاہ کی تقریبات میں ظاہری نمود و نمائش اور بے جا اسراف پر پابندی کا قانون اسلامی تعلیمات سے متصادم نہیں۔ بلکہ اسکی روح کے عین مطابق ہے۔

شادی بیاہ کے موقع پر بے جا اسراف و نمود و نمائش پر پابندی سے متعلق قانون مجریہ ۲۰۰۰ء کی دفعات ۴(ا)، ۵، ۶ اور ۷ کی حیثیت ایک تعزیر و تادیب کی سی ہے' جو ایک عارضی صورت حال ہے' جس کا مقصد ان اصحاب حیثیت لوگوں کی اصلاح ہے جو اللہ کے دیے ہوئے مال کو اللہ کی مرضی کے مطابق خرچ کرنے کی بجائے، اپنے من مانے طریقے سے خرچ کرتے اور معاشرے میں بگاڑ کا باعث بنتے اور دیگر لوگوں میں احساس محرومی پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اس لیے یہ دفعات احکام اسلام سے متعارض نہیں ہیں۔ بلکہ اسلام کی روح اور اس کی تعلیمات پر عمل کروانے کی ایک قانونی تدبیر ہے۔ اس کے مختصر دلائل حسب ذیل ہیں۔

اسلام میں اسراف اور فضول خرچی سخت ناپسندیدہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴿٢٧﴾﴾ (نبي اسرائيل ١٧/ ٢٦-٢٧)

''فضول خرچی مت کرو۔ اس لیے کہ فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بہت ناشکرا ہے۔''

راقم کی تفسیر ''احسن البیان'' میں اس کی مختصر تشریح حسب ذیل الفاظ میں درج ہے:

''تبذیر'' کی اصل بذر ہے جس کی معنی بیج کے ہیں۔ جس طرح زمین میں بیج ڈالتے ہوئے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ صحیح جگہ پر ڈل رہا ہے یا اس سے ادھر ادھر، بلکہ کسان بیج ڈالے چلا جاتا ہے۔ تبذیر (فضول خرچی) بھی یہی ہے کہ انسان اپنا مال بیج کی طرح اڑاتا پھرے اور خرچ کرنے میں حد شرعی سے تجاوز کرے۔'' (تفسیر مذکور' ص:۶۸۱' مطبوعہ دارالسلام' الریاض' لاہور۔)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

«مَا اَنْفَقْتَ عَلٰی نَفْسِكَ وَأَهْلِ بَيْتِكَ فِي غَيْرِ سَرَفٍ وَلاَ تَبْذِيرٍ، وَمَا تَصَدَّقْتَ فَلَكَ وَمَا اَنْفَقْتَ رِيَاءً وَسُمْعَةً لِذٰلِكَ حَظُّ الشَّيْطَانِ»(التفسير المنير، الدكتور وهبة الزحيلي)

''جو تو اپنے آپ پر اور اپنے گھر والوں پر بغیر اسراف اور تبذیر کے خرچ کرے گا اور جو اللہ کی راہ میں خیرات کردے گا تو وہ تیرے لیے جائز ہے اور جو تو ریا اور نمود و نمائش کے لیے خرچ کرے گا' تو وہ شیطان کا حصہ ہے۔''

اسی لیے عباد الرحمن (اللہ کے نیک بندوں) کی صفات میں سے ایک صفت قرآن کریم میں یہ بیان کی گئی ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ إِذَآ أَنفَقُواْ لَمْ يُسْرِفُواْ وَلَمْ يَقْتُرُواْ وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾ ﴾ (الفرقان ۲۵/ ۶۷)

''وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے درمیان ان کی گزران ہوتی ہے۔''

نفقات، دو قسم کے ہیں۔ ایک نفقات واجبہ اور دوسری قسم مباحات میں خرچ کرنا۔ ﴿اَنفَقُوا﴾ کا لفظ عام ہے جو دونوں قسموں کو حاوی ہے۔ یعنی اہل ایمان اور اللہ کے سچے بندے نہ نفقات واجبہ میں فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ مباحات میں۔ اور قرآن کریم کی

آیت:

﴿ وَكُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ وَلَا تُسْرِفُوٓا۟ ۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ ﴾

(الأعراف۷/ ۳۱)

''کھاؤ اور پیو اور اسراف مت کرو۔ بلاشبہ وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔''

سے معلوم ہوتا ہے کہ نفقات واجبہ تک میں اسراف ممنوع ہے، کیونکہ کھانا پینا انسانی زندگی کا ناگزیر تقاضا ہے، اس اعتبار سے یہ لازمی نفقات میں سے ہے۔ جب اس میں اسراف کی ممانعت ہے تو مباحات میں اسراف کس طرح پسندیدہ ہوگا؟ اور شادی بیاہ کی بعض رسومات تو ویسے ہی غیر شرعی اور ناپسندیدہ ہیں' جیسے مہندی اور منگنی وغیرہ کی رسمیں اور زیر بحث معاملات اگرچہ غیر شرعی تو نہیں ہیں لیکن ان کا تعلق مباحات یا زیادہ سے زیادہ مستحبات سے ہے، پھر ان میں اسراف اور فضول خرچی کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے؟

۲- نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«كُلُوا وَاشْرَبُوا وَالْبَسُوا وَتَصَدَّقُوا، فِي غَيْرِ إِسْرَافٍ وَلاَ مَخِيلَةٍ»(صحيح البخاري، اللباس، رقم الباب: ١)

''کھاؤ، پیو اور لباس پہنو اور صدقہ خیرات کرو، لیکن ان میں اسراف ہو اور نہ تکبر کا اظہار۔''

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«كُلْ مَا شِئْتَ، وَالْبَسْ مَا شِئْتَ، مَا أَخْطَأَتْكَ اثْنَتَانِ: سَرَفٌ أَوْ مَخِيلَةٌ»(صحيح البخاري، اللباس، رقم الباب: ١)

''جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو۔ جب تک دو چیزوں کا ارتکاب نہ ہو، فضول خرچی یا تکبر۔''

۳- اسی طرح نبی ﷺ نے اضاعت مال سے بھی منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ، وَمَنْعٍ وَهَاتِ . . . الحديث»(صحيح البخاري، الرقاق، باب ما يكره من قيل وقال، ح: ٦٤٧٣)

''نبی ﷺ منع فرمایا کرتے تھے زیادہ بحث وتکرار سے، کثرت سوال سے، اضاعت مال سے اور اس بات سے کہ خود تو کسی کو نہ دے اور لوگوں سے کہتا رہے ،لاؤ اور دو۔''

اور ہماری شادی بیاہ کی تقریبات میں جس طرح بے دریغ مال کا ضیاع ہوتا ہے، وہ محتاج وضاحت نہیں۔

۴- اور اس بات کی بھی وضاحت کی ضرورت نہیں کہ اسلام میں جس طرح کمانے کے لیے صرف حلال ذرائع ہی اختیار کرنے کی اجازت ہے اسی طرح صَرفِ دولت میں بھی ایک مسلمان اپنی من مانی نہیں کرسکتا۔ اس لیے قیامت کے دن ایک سوال یہ بھی کیا جائے گا:

«مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ»(جامع الترمذي، صفة القيامة، باب في القيامة، ح: ٢٤١٧)

''یہ مال تو نے کہاں سے کمایا اور کن چیزوں میں اسے خرچ کیا''۔

اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ مال کا ناجائز طریقے سے حاصل کرنا جائز ہے اور نہ اسے ناپسندیدہ جگہوں یا ناپسندیدہ طریقوں سے خرچ کرنا جائز ہے۔ اور جب اسراف اور فضول خرچی امر نامحمود اور ایک شیطانی کام ہے تو ظاہر بات ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

مذکورہ دلائل سے واضح ہے کہ مسلمانوں کو کسب مال اور صَرفِ مال دونوں میں پابند

کیا گیا ہے اور اسلامی مملکت کے حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے عوام کی اسلامی خطوط پر تربیت کریں تاکہ وہ اپنی زندگی کے روزمرہ معمولات میں اسلامی تعلیمات کی پابندی کریں۔ اور اگر وہ دیکھیں کہ عوام میں وسیع پیمانے پر اسلامی تعلیمات و ہدایات سے انحراف کا رجحان فروغ پا رہا ہے۔ تو وہ وقتی طور پر ایسی پابندیاں عائد کرنے کا حق رکھتے ہیں جن سے خلاف اسلام حرکتوں کا انسداد ہو سکے، اس کی بعض مثالیں ہمیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی ملتی ہیں، مثلاً:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک صحابیٔ رسول حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے مدائن میں ایک کتابی (یہودی) عورت سے شادی کرلی، حضرت عمر کو جب یہ اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت حذیفہ کو لکھا کہ اسے طلاق دے دو۔ حضرت حذیفہ نے اس کے جواب میں انہیں لکھا کہ کیا وہ میرے لیے حرام ہے؟ حضرت عمر نے انہیں تحریر فرمایا کہ میں حرام تو نہیں کہتا لیکن ان عورتوں میں عام طور پر عفت و پاک دامنی نہیں ہوتی۔ اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں کے گھرانوں میں اس راہ سے فحش و بدکاری داخل نہ ہو جائے۔ اور امام محمد بن حسن نے کتاب الآثار میں اس واقعے کو اس طرح نقل کیا ہے کہ دوسری مرتبہ فاروق اعظم نے جب حضرت حذیفہ کو خط لکھا تو اس کے یہ الفاظ تھے:

> ''میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ میرا خط اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دے کر آزاد کردو، کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں دوسرے مسلمان بھی تمہاری اقتداء نہ کریں اور اہل ذمہ اہل کتاب کی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے مسلمان عورتوں پر ترجیح دینے لگے تو مسلمان عورتوں کے لیے اس سے بڑی مصیبت کیا ہوگی؟''

اس واقعے کو نقل کر کے امام محمد نے فرمایا کہ فقہائے حنفیہ اسی بات کو اختیار کرتے ہیں کہ اس نکاح کو حرام تو نہیں کہتے، لیکن دوسرے مفاسد اور خرابیوں کی وجہ سے مکروہ سمجھتے

ہیں۔اور علامہ ابن اہمام نے فتح القدیر میں نقل کیا ہے کہ حضرت حذیفہ کے علاوہ حضرت طلحہ اور حضرت کعب بن مالک کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ انہوں نے آیت سورۂ مائدہ کی بنا پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرلیا۔تو جب فاروق اعظم کو اس کی اطلاع ملی تو سخت ناراض ہوئے اور ان کو حکم دیا کہ طلاق دے دیں۔

(یہ ساری تفصیل مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم کی تفسیر ''معارف القرآن'' جلد سوم ص ۶۲ ،۶۳ میں موجود ہے۔)

حضرت عمر فاروق کا یہ اقدام بھی تعزیر و تادیب ہی کے طور پر تھا اسی لیے اسے انہوں نے حرام تو نہیں کہا، لیکن اسے سخت ناپسند کیا، کیوں؟ اس لیے کہ ایک جائز کام، بہت سے مفاسد و خطرات کا باعث تھا۔ بنابریں ان مفاسد کے سدباب کے لیے انہوں نے ایک جائز کام کے ارتکاب سے لوگوں کو سختی کے ساتھ روک دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری مثال اور ہے۔ وہ عامل مقرر کرتے وقت جہاں اور بہت سی چیزیں دیکھا کرتے تھے، وہاں وہ یہ چار شرطیں بھی ان پر عائد فرماتے تھے:

«أَلاَّ يَرْكَبَ بِرْذَوْنًا، وَلاَ يَلْبَسَ ثَوْبًا رَقِيقًا، وَلاَ يَأْكُلَ نَقِيًّا، وَلاَ يُغْلِقَ بَابَهُ دُونَ حَوَائِجِ النَّاسِ»(كتاب الخراج، ص: ١٣٩ وعيون الاخبار: ١/ ٥٣)

''وہ عمدہ ترکی گھوڑے پر سواری نہیں کرے گا۔ (۲) باریک لباس نہیں پہنے گا، (۳) میدے کی روٹی نہیں کھائے گا (۴) اور لوگوں کی دادرسی سے بچنے کے لیے اپنے دروازے بند نہیں کرے گا''۔

آپ غور کیجیے، ان میں سے کون سی چیز ہے جو ایک گورنر، وزیر اور سرکاری افسر کے

لیے حرام اور ناجائز ہے؟ یہ سب جائز چیزیں ہیں۔ لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دوربین نظر نے اندازہ کرلیا تھا کہ امرائے دولت کو اگر رئیسانہ ٹھاٹھ باٹھ اور شاہانہ کروفر کی اجازت دی گئی تو یہ بہت سے مفاسد کا باعث ہوگی۔ اس لیے انہوں نے امرائے دولت کے لیے بطور خاص مذکورہ جائز کاموں کی ممانعت کرکے سادگی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

زیر بحث دفعات میں بھی یہی فاروقی روح کارفرما ہے۔ بلاشبہ اسلام میں اخراجات کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، لیکن اس اجازت کو لوگوں نے اسراف' فضول خرچی جیسے شیطانی کاموں کے لیے کھلا لائسنس سمجھ لیا ہے۔ اس لیے جب تک قوم، بالخصوص اس کے صاحب حیثیت افراد اپنے طرز عمل کی اصلاح پر آمادہ نہ ہوں، اس قسم کے آرڈیننسوں پر عمل درآمد کرانا اسلام کے عین مطابق ہے۔

(صلاح الدین یوسف' جون: ۲۰۰۲ء)



-٦-

دنیا کا سب سے ''قیمتی بندھن''

شادی بیاہ کی فضول رسموں کی تفصیلات پر مبنی ایک فیچر

رؤف ظفر' فیچر نگار روزنامہ ''جنگ'' لاہور

سوالوں کے جوابات پر مشتمل گزشتہ مضمون میں شادی بیاہ کی فضول رسموں' بے پناہ اسراف و تبذیر (فضول خرچی) اور نمود و نمائش کی خواہش کا بار بار ذکر آیا ہے۔ حسن اتفاق سے انہی دنوں ''جنگ میگزین'' لاہور میں شادی بیاہ کی مذکورہ رسومات کی تفصیل پر مبنی ایک فیچر شائع ہوا ہے۔ مناسب معلوم ہوا کہ اس مضمون کو بھی اس کتاب میں شامل کر دیا جائے' تاکہ تصویر کے دونوں رخ قارئین کے سامنے آ جائیں۔

ایک وہ جو سادگی پر مبنی' جاہلانہ رسموں اور فضول خرچیوں سے پاک شادی ہے' جس کی تلقین گزشتہ مضمون میں کی گئی ہے اور جو ہمارے مذہب اسلام کی تعلیم ہے۔

دوسری وہ شادی ہے جس کی تفصیل رؤف ظفر صاحب کے درج ذیل فیچر میں دی گئی ہے جس میں قوم کا ہر طبقہ اپنی اپنی بساط اور طاقت کے مطابق حصہ لیتا ہے اور جو ہماری مذہبی تعلیمات کے نہ صرف یکسر خلاف ہے بلکہ دین کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ لیجئے اب دین کو مذاق بنانے والی ان رسموں کی ہوش ربا تفصیلات ملاحظہ فرمائیے! (ص۔ ی)

وسیع و عریض کوٹھی کے گیٹ سے رات کو گیارہ بجے جب عورتوں' مردوں اور بچوں پر مشتمل کاروں' کوچز اور موٹر سائیکلوں کا کارواں باہر نکلا تو اس کی سج دھج دیکھنے والی تھی۔ اس ''جلوس'' کی خاص بات دو تین سجی ہوئی بیل گاڑیاں تھیں جن پر مہندی رنگ کا لباس پہنے درجنوں نوجوان ڈھول کی تھاپ پر گیت گا رہے تھے۔ ان نوجوانوں نے دیہاتی لباس صرف اس تقریب کے لیے سلوائے تھے۔ جب یہ لوگ منزل کے قریب پہنچے تو منچلے نوجوان' عورتیں اور بچے کاروں اور کوچز سے باہر نکل آئے۔ دیدہ زیب لباس میں ملبوس عورتوں نے تھالوں میں مہندی اور موم بتیاں سجائی ہوئی تھیں اور وہ خوشی کے گیت گا رہی تھیں۔ ایک ویڈیو والا اس عالی شان جلوس کے ایک ایک لمحے کو فلمبند کر رہا تھا' نوجوان بھنگڑہ ڈال رہے تھے۔ ڈھول کی تھاپ پر گیت گاتی ہوئی لڑکیاں جب کوٹھی میں داخل ہوئیں تو وہاں کی عورتوں' بچوں اور مردوں نے پھولوں کی پتیاں نچھاور کر کے ان کا استقبال کیا۔ کوٹھی کے وسیع و عریض لان میں مہندی کلر کے خوبصورت شامیانے لگائے گئے تھے اور کوئلے کی انگیٹھیوں نے سردی میں خوشگوار حرارت کا احساس پیدا کر دیا تھا۔ سارا گھر گیندے کے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ وسط میں پھولوں سے آراستہ ایک جھولا بھی نصب تھا۔ مہندی کی اس تقریب کے لیے اگرچہ دلھن نے بیوٹی پارلر سے مخصوص میک اپ کرایا تھا تاہم دولھا کی بہنوں اور دوسری لڑکیوں نے تیل کی مہندی لگا کر رسم پوری کی۔ لڑکے والوں کی پہلے گرما گرم سوپ سے تواضع کی گئی' جب کھانا لگایا گیا تو اس وقت رات کے ڈیڑھ بج چکے تھے' کھانے میں گوشت کی تین' سبزیوں کی چار اور میٹھے کی چار ڈشیں تھیں۔ سلاد بھی کئی اقسام کے تھے۔ کھانا اتنا وافر تھا کہ کافی مقدار میں بچ گیا۔ سبز چائے اور قہوے کے دور' رات گئے تک چلتے رہے۔ اس تقریب میں شریک خواتین اور بچوں نے مہندی کے حوالے سے خصوصی لباس سلوائے تھے۔ رات کو جب یہ ہنگامہ ختم ہوا

تو اس وقت ڈھائی بج رہے تھے۔

صبح کو جب لڑکی کے ہاتھوں پر لگی ہوئی مہندی خشک ہوئی اور اس نے صابن سے ہاتھ دھو کر بارہ ایک بجے ''ناشتہ'' کیا تو اس وقت تک مہندی کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا اور نقش و نگار بھی مدہم پڑنے لگے تھے۔ لیکن اگر آپ مہندی کی اس تقریب کو سج دھج اور شان و شوکت سے قطع نظر حساب کتاب کے ترازو میں تولیں تو معلوم ہوگا کہ یہ تقریب کوئی ایسی نہیں جس کے نقش و نگار جلد مدہم پڑ جائیں' اگر لڑکے والوں کے تیار کردہ ملبوسات کے اخراجات اور لڑکی والوں کی طرف سے کھانے اور دوسری تیاریوں پر خرچ ہونے والی مجموعی رقم کا اندازہ لگایا جائے تو یہ دو ڈھائی لاکھ سے بھی زائد بن جاتی ہے جسے چند گھنٹوں میں ایک رسم کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ لیکن یہ تو شادی کی تقریبات کی ابتداء تھی اور آگے چل کر جو کچھ خرچ ہونا تھا۔ یہ رقم اس کا معمولی سا حصہ بھی نہیں تھی۔

شادی خانہ آبادی: شاہراہ حیات کا ایک اہم ترین سنگ میل ہے جس میں عورت اور مرد ایک نئے خاندان کی بنیاد رکھتے ہیں' درحقیقت یہ دو افراد کا نہیں' دو خاندانوں کا ملاپ ہوتا ہے اور اس اعتبار سے شادی ہماری معاشرتی زندگی کی اہم ترین تقریب ہوتی ہے اور صرف ہمارے یہاں ہی نہیں دنیا کے تمام معاشروں میں دولھا اور دلھن کے بندھن کو اہم ترین حیثیت حاصل ہے۔ لیکن فرق صرف یہ ہے کہ دنیا کے بیشتر ممالک میں جہاں یہ تقریب سادگی سے انجام پاتی ہے اور محدود لوگ شرکت کرتے ہیں وہاں ہمارے یہاں نمود و نمائش' بے جا اسراف' مصنوعی شان و شوکت' ایک دوسرے پر برتری' مقابلہ بازی' اور ذاتی انا کی تسکین کا ایک ایسا وسیلہ بن گئی ہے جس نے شادی کو دنیا کا سب سے قیمتی بندھن بنا دیا ہے۔ اس معاشرتی مسئلے کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت شادی پر بے جا اسراف کیخلاف ہے اور محفلوں میں اس کی مذمت بھی کی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود

لوگ یہ کڑوا گھونٹ ہنسی خوشی پیتے ہیں۔ کانٹوں کا یہ وہ ہار ہے جس کی چبھن ہر شخص محسوس کرتا ہے۔ لیکن پھر بھی اسے وہ خوشدلی سے گلے کی زینت بناتا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں میاں بیوی کا رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا ہمارے یہاں کس طرح ایک سیدھے سادے دینی فریضے اور سوشل کنٹریکٹ کے بجائے لاکھوں کا پیکج بن کر رہ گیا ہے۔

منگنی کی رسم: محدود تعداد میں ہونے والے کورٹ میرجز سے قطع نظر ہمارے یہاں اب بھی ۹۰ فیصد شادیاں ''ارینجڈ'' یعنی والدین اور بزرگوں کی مرضی سے طے پاتی ہیں اور شادی کی تقریبات کی ابتدائی اینٹ اس وقت رکھی جاتی ہے جب لڑکے اور لڑکی کے والدین، منگنی کی رسم ادا کرتے ہیں۔ لاہور کے قدیم علاقے موری گیٹ میں مقیم ایک ۸۰ سالہ بابا نوردین نے بتایا کہ چالیس پچاس سال قبل منگنی کی رسم کے موقع پر صرف دعائے خیر کی جاتی تھی اور چھوہارے اور بتاشے اور لڈو تقسیم کیے جاتے تھے۔ لیکن اب یہ رسم بھی قیمتی بن گئی ہے غریب طبقے کے لوگ بھی سونے کی انگوٹھی پہناتے ہیں اور جہاں تک امیروں کا تعلق ہے ان کی انگوٹھیوں کی مالیت لاکھوں میں بھی ہوسکتی ہے۔ اگرچہ اس فنکشن میں دونوں خاندانوں کے محدود افراد شرکت کرتے ہیں لیکن پھر بھی فریقین کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ دو خاندانوں کے اس ابتدائی ملاپ پر زیادہ سے زیادہ اپنی خاندانی ثروت اور شان وشوکت سے دوسرے کو مرعوب کر دیں، نوردین نے بتایا کہ اس کے محلے کے ایک غریب مزدور نے ادھار لے کر اپنی بیٹی کی منگنی کی رسم کو شاندار بنانے کی کوشش کی، اس کا کہنا تھا کہ لڑکے والے پہلی مرتبہ اس کے گھر آرہے ہیں اور وہ ان پر یہ تاثر چھوڑنا چاہتا تھا کہ وہ کسی سے گیا گزرا نہیں ہے۔ نوردین نے کہا کہ ''پرانے زمانے میں لوگ سادہ تھے اور نمائش پسند نہیں تھے۔ اب زمانہ بدل گیا ہے۔'' بہرحال منگنی کی تقریب ۵ مرلے کے

گھر میں ہو یا فائیو سٹار ہوٹل میں اور انگوٹھی عام سی ہو یا ہیرے کی' فریقین کی کوشش ہوتی ہے کہ پہلی تقریب میں ہی وہ دوسرے پر اپنی دھاک جما دے۔

اخراجات ...... پانچ ہزار سے پچاس ہزار روپے تک عیدیاں

منگنی کے فوراً بعد لڑکے اور لڑکی کے خاندانوں میں لین دین اور تحائف کا تبادلہ شروع ہو جاتا ہے اور کوئی بھی تہوار ہو' فریقین مٹھائی اور تحائف ضرور بھیجتے ہیں اس نئے نئے بندھن کو مضبوط بنانے کے لیے دونوں خاندان ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ''دریا دلی'' کا مظاہرہ کرتے ہیں چھوٹی اور بڑی عید کے موقع پر تو خاص طور پر فراخ دلی دکھائی جاتی ہے لڑکے والے چھوٹی عید پر سویاں' چوڑیاں' مہندی اور بیش قیمت سوٹ بھیجتے ہیں' بڑی عید پر بکرے کی رانوں کا تبادلہ عام سی بات ہے' عیدین کے علاوہ مختلف بہانوں سے مل بیٹھنے کا کوئی نہ کوئی اہتمام کر ہی لیا جاتا ہے۔ منگنی جتنی دیر تک چلے' تحائف کے تبادلوں اور دعوتوں کا بجٹ اتنا ہی بڑھتا چلا جاتا ہے' مجموعی اخراجات بہرحال سینکڑوں میں نہیں ہزاروں لاکھوں میں ہوتے ہیں۔

اخراجات ...... دس ہزار سے ایک لاکھ تک

جوڑے...... سب کے لیے: شادی لڑکے کی ہو یا لڑکی کی' مقررہ تاریخ سے مہینوں قبل خریداری شروع ہو جاتی ہے اور خواتین دن رات ایک کر دیتی ہیں۔ اس خریداری کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ دولھا اور دلھن کے لیے جہیز اور دوسرا سامان خریداری میں سرفہرست ہوتا ہی ہے۔ ان کے رشتہ داروں یعنی ان کے والدین' چچا' چچی' ماما' خالہ' ساس' سسر' دیور' جیٹھ کے لیے بھی قیمتی گھڑیاں سوٹ اور دوپٹے' تھانوں کی صورت میں خریدے جاتے ہیں۔ ان سوٹوں کی تعداد بعض اوقات سینکڑوں میں پہنچ جاتی ہے۔ بظاہر یہ ایک دوسرے

کے ساتھ پیار و محبت کا مظاہرہ ہوتا ہے لیکن اس پر فریقین کی کافی رقم صرف ہو جاتی ہے کیونکہ کوئی بھی فریق سستا قسم کا سوٹ دے کر اپنی ناک نہیں کٹوانا چاہتا۔ لڑکی والے دولھا کے لیے گرم سوٹ پیس کے علاوہ شلوار' قمیص' شیروانی' قیمتی گھڑی' ٹائی' جوتا' کلہ' پگڑی اور ضرورت کی دوسری چیزیں (بشمول اٹیچی کیس) خرید تے ہیں۔ صاحب ثروت خاندان صرف ولایتی بیوٹی بکس پر ہی بیس' پچیس ہزار روپے خرچ کر دیتے ہیں۔ بہر حال شادی سے دولھا اور دلھن تو مستفید ہوتے ہی ہیں۔ ان کے رشتہ داروں کی بھی عید ہو جاتی ہے ایک اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ شادی کے موقع پر دولھا اور دلھن کے بہن بھائی والدین عزیز و اقارب اور بچے اپنے طور پر بھی نئے جوڑے سلواتے ہیں اور جوتے خرید تے ہیں اور یہ سلسلہ بھی کافی ''مہنگا'' ثابت ہوتا ہے۔

اخراجات...... پندرہ ہزار سے ایک لاکھ تک

جہیز: شادی کی سب سے قیمتی آئیٹم جہیز معاشرے میں تنقید اور بحث مباحثے کا موضوع بننے کے باوجود لڑکی والوں کے لیے ایک ایسی رسم بن گیا ہے جسے چار و ناچار پورا کرنا ہی پڑتا ہے۔ تصور یہ ہے کہ لڑکی جب اپنا گھر بسائے تو اسے ضروریات زندگی کی چند بنیادی اشیاء میسر ہوں۔ اس مسئلے کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ بیشتر (سب نہیں) لڑکے والوں نے اسے اپنی خوشحالی کا ذریعہ سمجھ لیا ہے۔ وہ رواجاً یہ توقع کرتے ہیں کہ لڑکی اپنے ساتھ ڈبل بیڈ' ڈائننگ ٹیبل' صوفہ سیٹ' فریج' ٹی وی' ایئر کنڈیشنر' کراکری سیٹ' واشنگ مشین' سلائی مشین' لحاف' کچن کے الیکٹرانک آلات اور ضروریات زندگی کی دوسری اشیاء لے آئے گی (حالانکہ اکثر خاندانوں کے پاس یہ سب چیزیں پہلے سے موجود ہوتی ہیں) یہی وجہ ہے کہ نومولود لڑکی کی پہلی چیخ کے ساتھ ہی ماں کا دھیان اس کے جہیز کی طرف جاتا ہے اور وہ شروع دن ہی سے اس کے لیے تنکا تنکا جوڑنا شروع کر دیتی ہے۔ جہیز کا تصور ہمارے

لاشعور میں اس قدر راسخ ہو چکا ہے کہ کوئی حکومت انسدادی قوانین بنانے کے باوجود اس لعنت سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکی۔ پابندی کے باوجود جہیز کی چوری چھپے نمائش ہوتی ہے اور کوئی ماں نہیں چاہتی کہ جب سامان اور بردکھائی کا وقت آئے تو اسے اپنے خاندان میں ندامت کا سامنا کرنا پڑے۔ جہیز میں لڑکی کو بیس' پچیس جوڑے دینا معمولی بات ہے۔ جبکہ ۱۰۰' ۱۰۰ جوڑے بھی دیے جاتے ہیں۔ جہیز کی کوئی حد نہیں۔ محنت کش اور سرکاری اور نیم سرکاری ملازمین کمیٹی ڈال کر یا پراویڈنٹ فنڈ سے رقم نکلوا کر' یار دوستوں سے قرض لے کر دوستوں' اور رشتہ داروں میں عزت بچانے کا بندوبست کر ہی لیتے ہیں۔ جہاں تک دولت مند طبقے کا تعلق ہے اس کے لیے جہیز میں کار' کوٹھی' بلینک چیک فیکٹری اور ہنی مون کے لیے ورلڈ ایئر ٹکٹ دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ جہیز میں لڑکی کو زیادہ سے زیادہ چیزیں دینے کی یہ وبا صرف برصغیر میں ہے جس کی لپیٹ میں امیر' غریب' سفید پوش متوسط سب لوگ آئے ہوئے ہیں۔ بعض دیہاتی علاقوں میں تو والدین اپنے گردے بیچ کر جہیز تیار کرتے ہیں۔

اخراجات ایک لاکھ سے نصف کروڑ تک

زیورات: صدیوں سے عورت اور زیور کا چولی دامن کا ساتھ چلا آ رہا ہے اور زیور کے بغیر عورت کو نامکمل سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں زیورات کو عورت کے حسن کو چار چاند لگانے کے ساتھ ساتھ مشکل وقت میں کام آنے کا وسیلہ بھی سمجھا جاتا ہے۔ پس منظر کچھ بھی ہو۔ ہر ماں باپ کی کوشش ہوتی ہے کہ بیٹی جب گھر سے رخصت ہو تو زیورات سے جگمگا رہی ہو۔ سوہے بازار لاہور کے جیولر محمد اقبال کے مطابق ''ہمارے یہاں غریب گھرانہ بھی کسی نہ کسی طرح ادھار یا قرض حسنہ لے کر ۵ سے ۱۰ تولے تک کے ضروری زیور کا بندوبست کر ہی لیتا ہے۔ جس میں چوڑیاں' گلے کا ہار اور کانوں کے جھمکے وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن کھاتے پیتے لوگ جو زیور

بنواتے ہیں ان میں ہار سیٹ' چوڑیاں' کڑے' گلوبند' پٹی سیٹ' پازیب' پٹی' گلا' تاج' جھومر' نتھ' ٹکا' بیندی' سیٹھی سیٹ' انگوٹھی اور دوسری چیزیں شامل ہیں امیر لوگوں کے صرف زیورات کا بل سات سے آٹھ لاکھ تک پہنچ جاتا ہے۔ بعض غریب والدین اپنے جہیز کے پرانے زیورات کو تڑوا کر بیٹی کے لیے نئے زیورات بنوا لیتے ہیں اور اس قابل ہو جاتے ہیں کہ رشتہ داروں کو منہ دکھا سکیں' بہر حال زیورات شادی کا ایک ایسا آئیٹم ہے جس سے لڑکے اور لڑکی والے آسانی سے اپنی جان نہیں چھڑا سکتے۔''

اخراجات...... پچاس ہزار سے آٹھ' دس لاکھ تک

عروسی ملبوسات: دولھا اور دلھن کے لیے خریدے جانے والے عروسی ملبوسات شادی کے بجٹ کا ایک بڑا حصہ ہوتے ہیں اور اب جدید قیمتی ملبوسات نے بجٹ اور بھی بڑھا دیا ہے۔ مثلاً دلھن کا عام اور سستا لہنگا پانچ سے چھ ہزار میں تیار ہوتا ہے جبکہ صاحب ثروت اور مالدار لوگ ایک لاکھ روپے تک کا لہنگا بھی تیار کراتے ہیں جس پر سونے کے تاروں سے کام کیا گیا ہوتا ہے۔ شادی کی مختلف تقریبات پر دلھن انتہائی قیمتی ملبوسات زیب تن کرتی ہے یہی حال دولھا کا ہے جس کا سینٹ مائیکل کا سوٹ تیس سے چالیس ہزار میں تیار ہوتا ہے۔ صرف ٹائی کی مالیت دو ہزار روپے ہوتی ہے۔ دولھا اور دلھن شادی کے ہر فنکشن کے لیے علیحدہ علیحدہ لباس سلواتے ہیں اور نئے جوڑوں کا یہ سلسلہ شادی کے بعد عزیز و اقارب کی دعوتوں تک چلتا رہتا ہے۔ اس مسئلے کا ایک افسوسناک پہلو یہ ہے کہ انتہائی قیمتی لہنگے غرارے اور عروسی ملبوسات صرف ایک دو دن پہنے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ہمیشہ کے لیے ٹرنکوں میں بند کر دیے جاتے ہیں یہ عروسی ملبوسات مخصوص کاریگر کئی کئی دنوں کی دیدہ ریزی کے بعد تیار کرتے ہیں۔

اخراجات......دس ہزار سے ڈیڑھ لاکھ تک

میک اپ: گزشتہ پندرہ' بیس برسوں سے شادی کی تقریبات کا ایک رجحان دلھن کا کسی بیوٹی پارلر سے میک اپ کرانا ہے۔ جس کے بغیر شادی کی کوئی تقریب مکمل نہیں سمجھی جاتی' پرانے زمانے میں لڑکیاں خود ابٹن وغیرہ لگا لیتی تھیں اب یہ سارا کام ''برائیڈل پیکج'' کے تحت ہوتا ہے جس میں دلھن چار مختلف تقریبات کے لیے مختلف قسم کا میک اپ کرواتی ہے مثلاً مایوں اور مہندی کا میک اپ علیحدہ ہوتا ہے اس کے بعد رخصتی کا میک اپ ہوتا ہے۔ ولیمے کا میک اپ بھی مختلف ہوتا ہے۔ دلھن بننے کا میک اپ پانچ ہزار سے پندرہ ہزار میں ہوتا ہے اور اس کے لیے دلھن کو کئی دن بیوٹی پارلر جانا پڑتا ہے۔ دوسری تقریبات کے میک اپ کا معاوضہ قدرے کم ہوتا ہے۔ یہ رجحان اب اتنا زیادہ ہوگیا ہے کہ گلی گلی محلے محلے بیوٹی پارلر کھل گئے ہیں جہاں چند دنوں میں ٹریننگ حاصل کرنے والی خواتین میک اپ کے سامان سے لیس ہو کر عورتوں کی منتظر رہتی ہیں۔ جبکہ پوش علاقوں میں واقع جدید بیوٹی پارلرز سے کئی کئی ہفتے پہلے وقت لینا پڑتا ہے۔ اب ایک نیا رجحان دولھا کے میک اپ کا چل پڑا ہے۔ میک اپ کراتے ہوئے ایک دولھا سے جب اس سلسلے میں بات کی گئی تو اس نے کہا ''اصل میں دلھن بیوٹی پارلرز سے خصوصی میک اپ کرواتی ہے اس لیے شادی کے فوٹو سیشن اور ویڈیو میں اس کی اچھی تصویر آتی ہے جبکہ میک اپ کے بغیر دولھا تصویر میں دلھن کے مقابلے میں بے وقوف لگ رہا ہوتا ہے خوبصورتی اور فوٹو سیشن میں دلھن کا ''مقابلہ'' کرنے کے لیے اب دولھا نے بھی بیوٹی پارلرز جانا شروع کر دیا ہے جہاں وہ فیشل سلن پالش اور ہیر ڈائی کرواتے ہیں۔ لیکن یہ رجحان فی الحال بڑے شہروں میں زیادہ ہے چھوٹے شہروں میں بھی دولھے اپنے طور پر تیار ہونے اور خود کو خوبصورت بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ وحدت روڈ کے ایک ہیر ڈریسر محمد صدیق کا کہنا ہے کہ گزشتہ پندرہ'

بیس برس میں یہ رجحان دیکھنے میں آیا ہے کہ لڑکیاں اب بہت زیادہ بیوٹی کانشس ہوگئی ہیں۔ پارٹیوں میں جانے کے لیے لائٹ میک اپ معمول بنتا جارہا ہے۔لڑکیاں خود بھی میک اپ سیکھ رہی ہیں قدم قدم پر پارلرز کھل گئے ہیں۔ پاکستانی خواتین روٹین میں ہی میک اپ کے سامان پر روزانہ کروڑوں روپے صرف کرتی ہیں لیکن شادیوں کے سیزن میں یہ سلسلہ ایک جنون کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔اب میک اپ کا جدید ترین سامان اور طریقے دستیاب ہیں۔ خواتین ٹی وی کیبل اور فیشن میگزینوں سے متاثر ہوکر ان تمام طریقوں سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔

اخراجات...... پچاس ہزار سے چالیس ہزار تک

رخصتی اور نکاح کی تقریب: یہ شادی خانہ آبادی کی سب سے نمایاں تقریب ہوتی ہے جس میں دولھا اور دلھن والے دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔ بارات بینڈ باجے کے ساتھ آتی ہے اب خوبصورت بگھیوں پر دولھا کو بٹھانے کا رواج بھی چل پڑا ہے' آتش بازی پر بھی اچھی خاصی رقم خرچ کی جاتی ہے سابقہ حکومت کے دور میں جب ولیمے اور بارات پر کھانے کی پابندی کا اعلان ہوا تو غریب اور متوسط لوگوں نے سکھ کا سانس لیا کیونکہ مشروبات یا چائے سے تواضع کر کے ان کی عزت کا بھرم رہ جاتا تھا لیکن اب یہ پابندی ختم ہونے کے بعد وسائل سے محروم طبقہ ایک بار پھر آزمائش کی چکی میں پسنے لگا ہے ہمارے یہاں صاحب ثروت افراد پر مشتمل طبقہ تو ویسے ہی دولت خرچ کرنے کے نت نئے راستے تلاش کرتا رہتا ہے اور رخصتی کے موقع پر باراتیوں کی درجنوں اقسام کی ڈشوں سے تواضع کرنا ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں لیکن متوسط اور غریب طبقہ جو پہلے ہی جہیز اور زیورات کے بوجھ تلے دبا ہوتا ہے اس کے لیے باراتیوں کی پوری طرح تواضع کرنا ممکن نہیں ہوتا چونکہ یہ عزت اور ناک کا مسئلہ ہوتا ہے اس لیے لڑکی والے ادھار اور قرض لے کر جمع پونجی صرف کر کے یا کوئی

پلاٹ جائیداد وغیرہ فروخت کر کے اپنی عزت کا بھرم رکھ لیتے ہیں۔لڑکے والے بھی آتش بازی اور خوبصورت بگھیوں کے جلو میں پہنچتے ہیں بہرحال لڑکے والے ہوں یا لڑکی والے...... دونوں نکاح اور رخصتی کی اس تقریب کو ہر لحاظ سے یادگار بنانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔بعض اوقات دودھ پلائی اور جوتا چھپائی کی رسم بھی ہزاروں میں پڑتی ہے۔

اخراجات...... پچاس ہزار سے تین لاکھ تک

ولیمہ: جن دنوں ولیمے کے کھانے پر پابندی تھی اس وقت بھی لوگوں نے مہمانوں کی پرتکلف کھانوں سے تواضع کے چور راستے تلاش کر لیے تھے لیکن اب پابندی ختم ہونے کے بعد پھر سے لوگوں نے مہمانوں کی تواضع کے نئے ریکارڈ قائم کرنے شروع کر دیے ہیں اصل میں ولیمہ دولھا کے لیے ایک بڑے فنکشن کی حیثیت رکھتا ہے جس میں دوست یار، عزیز و اقارب، محلے دار، وغیرہ مدعو ہوتے ہیں۔لوگ سمجھتے ہیں کہ خوشی کی اس تقریب کے موقع پر جتنا بھی خرچ کیا جائے کم ہے۔دیہی علاقوں میں زمینداروں اور جاگیرداروں کے ہاں اس موقع پر موسیقی کی محفلیں منعقد کرنا معمول کی بات ہے۔بڑے شہروں کے پوش علاقوں میں موسیقی کے جدید گروپس کو بلایا جاتا ہے کچھ عرصہ قبل میرپور (سندھ) میں ہونے والی شادی لوگوں کو آج تک نہیں بھولی جس میں مہندی، ہیلی کاپٹر کے ذریعے سے لے جائی گئی۔لڑکے والوں نے اس مقصد کے لیے پچیس ہیلی کاپٹر مانگے تھے لیکن سول ایوی ایشن نے صرف ایک ہیلی کاپٹر، دیا ولیمے کے موقع پر مسلسل سات روز تک کھانا چلتا رہا اور لاہور سے منگوائی گئی ٹینٹ سروس کا ٹھیکہ سترہ اٹھارہ لاکھ روپے میں طے ہوا۔برصغیر میں راجوں مہاراجوں کی شادیوں پر بھی کروڑوں روپے صرف کیے جاتے ہیں اور یورپ اور امریکہ میں شادی کے موقع پر دی جانے والی ہیرے کی انگوٹھیاں کروڑوں کی مالیت کی ہوتی ہیں۔امریکی اداکار ٹام کروز نے اپنی ہونے والی بیوی پنی لوپ کے لیے ایک لاکھ

ڈالر (تقریباً پچپن لاکھ) کا ایک جوڑا تیار کرایا ہے۔ غرض دنیا میں ہر شخص وسائل کے مطابق اس تقریب کو یادگار بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اصل امتحان غریب' متوسط اور سفید پوش طبقے کا ہوتا ہے جو اس آزمائش میں پورا اترنے کے لیے کمیٹیوں' پراویڈنٹ فنڈ' انشورنس کے پیسوں اور قرضوں سے کام چلاتے ہیں ایک دن کی اس تقریب کا خرچ پورا کرنے کے لیے برسوں قرض اتارتے ہیں دولھا اور دلھن کو وصول ہونے والی سلامیوں اور تحائف کی مالیت اتنی نہیں ہوتی کہ شادی کے جملہ اخراجات پورے ہوسکیں۔

اخراجات...... پچاس ہزار سے پانچ لاکھ تک

<u>دعوتی کارڈز' لائیٹنگ' میوزک' ویڈیو اور فوٹو سیشن</u>: یہ لوازمات بھی شادی کی تقریبات کا حصہ بن گئے ہیں شادی کارڈوں میں اب اتنی ورائٹی دستیاب ہے کہ انتخاب مشکل ہو جاتا ہے تاہم ایک برس قبل لاہور میں ایک شادی کارڈ کا بہت چرچا رہا جو ماضی کے شاہی فرمانوں کے ڈیزائن میں تیار کیا گیا تھا لفافوں کے بجائے اسے خصوصی پارسلوں کے ذریعے بھیجا گیا۔ کارڈوں پر ایک ہزار روپے سے لے کر پانچ ہزار روپے تک خرچ ہوتے ہیں شادی کے موقع پر گھروں پر لائٹنگ پر بھی کافی خرچ ہوتا ہے بعض لوگ دور دور تک قمقموں سے جگمگاتی ہوئی آرائشی محرابیں تیار کرتے ہیں یہ لائٹنگ کئی کئی روز تک جاری رہتی ہے کوئی زمانہ تھا جب شادی پر صرف فوٹو گرافی کی جاتی تھی اب ویڈیو فلم شادی کا لازمی جزو تصور ہونے لگی ہے اور مایوں سے لے کر مہندی رخصتی اور ولیمے تک ایک ایک لمحے کو فلم میں محفوظ کرلیا جاتا ہے یہ کام بھی ہزاروں میں ہوتا ہے تاہم اس کے بعد بھی اکثر جوڑے مشہور فوٹو گرافروں سے فوٹو سیشن کراتے ہیں جس پر بیس سے چالیس ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں ولیمے کے بعد رات کو محفل موسیقی کے انعقاد کا رواج بھی مقبول ہو رہا ہے جس کے نتیجے میں ایسی محفلیں منعقد کروانے والے ادارے برساتی کھنبیوں کی طرح وجود

میں آ گئے ہیں مختلف قسم کے بینڈز بھی نوجوانوں میں پاپولر ہیں شہروں میں اگر یہ جدید گروپس آواز کا جادو جگاتے ہیں تو دیہات میں زمیندار اور جاگیردار شادی کے بعد موسیقی اور مجرے کی محفلیں منعقد کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے بلکہ اسے ثقافتی روایات کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اب دولت مند گھرانوں میں ہنی مون کا رواج تو عام ہے لیکن متوسط طبقے بالخصوص کاروبار سے وابستہ لوگ پاکستان میں ہی شمالی علاقوں کی سیر و سیاحت کا اہتمام کر ہی لیتے ہیں۔ اوپر جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے اگر ان کے مجموعی اخراجات کا اندازہ لگایا جائے تو یہ لاکھوں سے کم نہیں ہوتے۔

اخراجات...... تیس ہزار سے ایک لاکھ تک

مکلاوا: شادی خانہ آبادی کی ہفتوں جاری رہنے والی تقریبات کا آخری آئیٹم مکلاوا ہوتا ہے جس میں دلھن رخصتی کے دو تین دن بعد اپنے والدین اور اہل خانہ سے ملنے کے لیے دولھا کے ساتھ اپنے گھر آتی ہے بعض گھرانوں میں رواج ہے کہ اس موقع پر بھی لڑکے والوں کو سوٹ دیے جاتے ہیں اگر یہ نہ بھی ہو تو بہرحال شاندار دعوت کا انعقاد اس آخری فنکشن کا ایک اہم حصہ ہوتا ہے جس میں فریقین کے عزیز و اقارب شرکت کرتے ہیں اس تقریب میں بھی قسم قسم کے پکوان پیش کیے جاتے ہیں بعض لوگ گھر پر ایسی تقریب کے انعقاد کی بجائے کسی مشہور ریسٹورنٹ میں قریبی رشتہ داروں کو مدعو کر لیتے ہیں یہاں اگرچہ دولھا اور دلھن وی آئی پی ہوتے ہیں لیکن لڑکی اور لڑکے کی رشتہ دار خواتین اور بچے بھی نئے نئے ملبوسات کا مظاہرہ کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہتے۔

اخراجات...... پانچ ہزار سے دس ہزار تک

منگنی، شادی کی تاریخ کا دن ''لینے'' مایوں بیٹھنے، مہندی، رخصتی، ولیمہ، مکلاوا اور دوسری متعدد تقاریب پر خرچ ہونے والی رقم کا مجموعی اندازہ لگایا جائے تو یہ کسی صورت بھی

لاکھوں سے کم میں نہیں پڑتی۔ غریب اور متوسط طبقہ کے لوگوں کا بھی کسی نہ کسی طرح دو تین لاکھ روپیہ خرچ ہو جاتا ہے امیروں کا بجٹ تو نصف کروڑ کو چھونے لگتا ہے ایک برس قبل ایک این جی او کی تیار کردہ رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ پاکستان میں ہر سال شادیوں اور جہیز پر کم از کم تیس ارب روپے خرچ ہوتے ہیں اور اگر دولہا اور دلھن کو ملنے والی سلامیوں اور تحائف کی رقم کو بھی شامل کرلیا جائے تو بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے۔ یوں تو سارا سال شادیوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے لیکن اصل سیزن ماہ رمضان المبارک سے پہلے اور پھر عیدالفطر سے محرم الحرام کے آغاز تک جاری رہتا ہے اس دوران لاہور میں روزانہ پانچ سو سے زیادہ شادیاں ہوتی ہیں اس سیزن میں بیس کروڑ کے زیور بنتے ہیں شادی ہال کئی کئی ماہ پہلے سے بک ہو جاتے ہیں کپڑوں پر سلمٰی ستارے اور کشیدہ کاری کرنیوالے کاریگروں کو سر کھجانے کی فرصت نہیں ہوتی۔ شادیوں کا یہ سیزن روپے پیسے کو جس طرح حرکت میں لاتا ہے اتنی قوت اور کسی انڈسٹری میں نہیں ہوتی کہ وہ معاشی سرگرمیوں کو فعال انگیز بنائے۔

<u>لوگ کیا کہیں گے؟:</u> ماہرین تعلیم، منتظمین، وکلاء، دکانداروں، زندگی کے مختلف شعبوں اور مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے مرد و خواتین سے اس موضوع پر بات کی گئی اور ان سے پوچھا گیا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ امیر، غریب، متوسط اور اعلیٰ گھرانے کے لوگ شادیوں پر اتنا خرچ کیوں کرتے ہیں تو اکثریت کی رائے یہ تھی کہ اکثر لوگ چاہے ان کا تعلق غریب طبقے سے ہو یا امیر گھرانے سے شادی پر اس لیے بے تحاشا خرچ کرتے ہیں کہ اپنے عزیز و اقارب، رشتہ داروں، دوستوں اور محلے داروں کو مرعوب کرسکیں اور انہیں بتا سکیں کہ وہ بھی کسی سے کم نہیں ہمارے ذہنوں میں یہ بات سما چکی ہے کہ اگر ہم نے بیٹی یا بیٹے کی شادی دھوم دھام سے نہ کی اور تمام رسومات کو پوری طرح نہ نبھایا تو لوگ یہ سوچیں

گے کہ ان کے حالات خراب ہیں یہاں ہر شخص اپنی ناک کو اونچا رکھنا چاہتا ہے اور وہ کسی صورت اپنے رشتہ داروں اور عزیز و اقارب پر یہ ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتا کہ وہ کسی سے کم ہے مثلاً محکمہ اری گیشن میں گریڈ ۱۴ کے ملازم عبدالشکور نے کہا کہ وہ ذاتی طور پر شادی پر بے جا اخراجات کا مخالف ہے لیکن اس کی بیوی کہتی ہے کہ اگر انہوں نے بیٹی کے جہیز میں کم چیزیں دیں تو رشتہ داروں میں اس کی ناک کٹ جائے گی اس کی بیوی نے بیٹی کے پیدا ہوتے ہی جہیز بنانا شروع کر دیا تھا شکور نے بتایا کہ وہ دوسری رسموں کا تو مخالف ہے البتہ بیٹی کی رخصتی پر باراتیوں کی بہترین تواضع کے حق میں ہے تاکہ لڑکے والوں پر اس کا اچھا تاثر پڑ سکے۔

اس سلسلے میں ہم نے ایک ایسے صاحب سے ملاقات کی جن کی شادی ۱۹۴۷ء میں ہوئی تھی ہم نے ان سے پوچھا کہ کیا ماضی میں بھی شادیوں پر اتنا زیادہ خرچ کیا جاتا تھا ۵۷ سالہ بینکر' ادیب اور کالم نگار حفیظ رضا پسروری نے کہا کہ شادیوں میں شان و شوکت' نمود و نمائش' بے جا اسراف اور رسم و رواج قیام پاکستان کے بعد شروع ہوا جب دولت غلط ہاتھوں میں آ گئی معاشرتی اور سماجی بحران اور ناجائز الاٹمنٹوں کی وجہ سے امیر لوگ غریب اور غریب امیر ہو گئے پھر ایوب خان کے زمانے ہی سے کرپشن' ہیرا پھیری اور بدعنوانیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ہوس زر کی ایسی دوڑ شروع ہوئی جو آج تک جاری ہے پاکستان پر دنیا کے کرپٹ ترین ممالک کا لیبل بھی چسپاں ہوا جناب حفیظ رضا نے کہا کہ جب میری شادی ہوئی اس وقت ٹوٹل سلامی گیارہ روپے اکٹھے ہوئے تھے دلھن کو تیل مہندی لگائی گئی تھی لیکن اس میں چار پانچ اہل خانہ نے شرکت کی اور اس رسم پر کل پانچ دس روپے خرچ ہوئے تھے اس وقت بھی جہیز تھا لیکن یہ متوسط گھرانوں میں ۸ گلاسوں' ۸ سٹیل کے پیالوں' ۸ کھیسیوں دو لحافوں اور ضرورت کے عام برتنوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ سب کام سادگی سے

ہوتے تھے۔ لوگ سنت نبوی ﷺ پر عمل کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز میں جو کچھ دیا تھا اس کا سب مسلمانوں کو علم ہے۔ لیکن اب تو حالت یہ ہے کہ سیالکوٹ کے بیشتر گھرانوں میں یہ رواج چل پڑا ہے کہ جہیز میں ایک کلو سونا ضرور ہونا چاہیے۔ دولھا ۴۰' ۴۰ ہزار روپے کی مالیت کے امپورٹڈ سوٹ پہنتے ہیں' منگنی' مہندی' رخصتی اور ولیمے پر ۸'۸ ڈشیں پیش کی جاتی ہیں میرے نزدیک اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگوں کے پاس ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت آ گئی ہے جس کا اتنی بے دردی سے استعمال کیا جاتا ہے جب تک دولت کی منصفانہ تقسیم نہیں ہوگی شادیوں پر اخراجات کے یہ ہوش ربا مظاہرے دیکھنے میں آتے رہیں گے۔ ایک اسلامی معاشرے میں ایسا نہیں ہوتا کہ لاکھوں لڑکیاں جہیز نہ ہونے کی وجہ سے بڑھاپے کی دہلیز تک پہنچ جائیں اور بعض لوگ مہندی کی رسم پر اتنا خرچ کر دیں کہ اس سے سینکڑوں غریب لڑکیوں کا جہیز بن سکتا ہو۔

سوال یہ ہے کہ مسئلے کا حل کیا ہے؟: ماہرین سماجیات اور علمائے کرام سے بات چیت کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جب تک معاشرے میں طبقاتی اونچ نیچ ختم نہیں ہوگی' دولت کی منصفانہ تقسیم نہیں ہوگی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی تعلیمات کو فروغ نہیں دیا جائے گا اس قسم کے غلط رسم و رواج جڑ پکڑتے رہیں گے۔ جہیز اور بارات کی رسمیں قطعی طور پر غیر اسلامی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی کرپشن' بدعنوانی اور ناجائز طریقوں سے کمائی گئی دولت بھی اس رجحان کا ایک سبب ہے جس کی وجہ سے ہم اپنی آسانی سے حاصل کی گئی دولت کی نمائش کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ریسرچ سکالر علامہ شبیر بخاری نے کہا کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے شادی کی تقریب بس اتنی ہی ہے کہ مسجد میں نکاح پڑھوایا جائے اور ولیمے پر قریبی عزیز و اقارب کو سادہ کھانے پر مدعو

کرلیا جائے لیکن یہ باتیں اب ماضی کا حصہ بن گئی ہیں اگر معاشرے میں شادیوں کی اجتماعی تقاریب کو رواج دیا جائے جس میں تین چار سو جوڑوں کا بیک وقت نکاح پڑھوانے کے بعد شرکاء کی چائے اور مٹھائی سے تواضع کی جاتی ہے تو ہمارے اس مسئلے کا فوری حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک تیل مہندی' جہیز اور دوسری تقاریب پر بے دریغ خرچ کرنے کا تعلق ہے یہ کام تنہا حکومت قانون کے زور پر نہیں کرسکتی۔ اس کے لیے خود لوگوں کو اپنی سوچ میں تبدیلی لانا پڑے گی۔

ماہرین اقتصادیات کیا کہتے ہیں؟

''کڑوی گولی''...... جسے ہر شخص خوشی خوشی نگلتا ہے!

ممتاز ماہر اقتصادیات اور پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اکنامکس کے پروفیسر ممتاز انور چودھری نے شادی کے اخراجات کے سلسلے میں پاکستانی معاشرے کے بعض متضاد اور دلچسپ گوشوں کی نشاندہی کی جس کی واضح جھلک شادی بیاہ پر نظر آتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بلاشبہ پوری دنیا میں پاکستانی شادی کو قیمتی ترین کہا جاسکتا ہے یہاں ایک متوسط اور غریب خاندان بھی لاکھوں خرچ کردیتا ہے لیکن اسی ملک میں جہاں شادی بیاہ پر بے دریغ پیسے خرچ کیے جاتے ہیں وہاں عالم یہ ہے کہ ۵ کروڑ ۱۰ لاکھ افراد غربت کی لکیر سے بھی نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ ۷ کروڑ افراد پینے کے پانی کی سہولت سے محروم ہیں' ۵۰ فیصد آبادی ایک کمرے میں زندگی بسر کرتی ہے' ۸۰ فیصد سے زیادہ پاکستانیوں کی یومیہ آمدنی ۲ ڈالر سے بھی کم ہے' ملک پر ۳۲ ارب ڈالر سے زیادہ غیر ملکی قرضے ہیں' ملک میں مہنگائی کی صورت یہ ہے کہ وفاقی ادارہ شماریات کی ایک رپورٹ کے مطابق (جو رواں سال کے دوران ملک کے ۵۲ شہروں میں ۴۰ ہزار ۸۰۰ خاندانوں کے سروے کے بعد مرتب کی گئی)

لوگوں نے اشیائے خوراک کی خریداری 5.2 فیصد اور علاج معالجہ کے اخراجات ۲ فیصد کم کر دیے ہیں۔ مہنگائی اور بے روزگاری کے ہاتھوں خودکشی کرنے والوں کی شرح میں اضافہ ہو رہا ہے لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ جہاں شادی بیاہ کی بات آتی ہے وہاں اخراجات کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں ہر شخص استطاعت سے بڑھ کر خرچ کرتا ہے میرا مشاہدہ ہے کہ ۷۰ فیصد لوگ مجبوراً سود پر ادھار' قرض حسنہ اور پراپرٹی وغیرہ بیچ کر یہ کڑوی گولی نگلتے ہیں سرکاری اور غیر سرکاری ملازمین بالعموم اس وقت شادی کی تاریخ پکی کرتے ہیں جب انہیں پراویڈنٹ فنڈ ملتا ہے یا انشورنس پالیسی میچور ہوتی ہے کئی لوگ اس وقت حامی بھرتے ہیں جب انہیں کہیں سے قرض ملنے یا کمیٹی نکلنے کی امید ہوتی ہے عام لوگوں سے دل کی بات پوچھیں تو وہ یہی کہیں گے کہ شادی بیاہ پر اخراجات اور عزیز و اقارب اور دوستوں کی شادیوں پر دی جانے والی سلامیوں نے ان کی نیندیں خراب کر دی ہیں لیکن کیا کریں مجبوراً یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ ممتاز انور نے کہا ''بہرحال لوگ مجبوراً یہ کام کریں یا خوش دلی سے' یہ بات طے ہے کہ ترقی یافتہ ممالک کی صف میں ۱۰۰ ویں نمبر پر آنے والے ملک پاکستان میں شادی بیاہ' دنیا کا سب سے قیمتی بندھن ہے جس پر غریب متوسط اور سفید پوش طبقہ کے لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی لاکھوں خرچ کر دیتے ہیں اور امیر لوگ تو اتنا خرچ کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ!''

کروڑوں روپے...... جو تہہ نشین ہو جاتے ہیں

ہمارے یہاں ہونے والی شادیوں کا ایک دلچسپ اور عبرت آموز پہلو یہ بھی ہے کہ لوگ دلھنوں کے عروسی ملبوسات اور زیورات پر کروڑوں روپے کی جو رقم صرف کرتے ہیں وہ کسی کام نہیں آتی بلکہ شہنائیوں کی گونج اور مبارک سلامت کا شور مدھم پڑتے ہی یہ دولت ٹرنکوں' بکسوں' اٹیچی کیسوں اور لاکروں میں فینائل کی گولیوں اور نیم کے پتوں کے

ساتھ تہہ نشین ہو جاتی ہے ہمارے معاشرے میں شادیوں پر فضول رسم و رواج کی حالت یہ ہے کہ ایک عام گھرانہ بھی دلھن کے لیے لہنگا یا غرارہ لینا ضروری سمجھتا ہے جس پر کم از کم پانچ ہزار کی لاگت آتی ہے لیکن امیر اور دولت مند طبقے کی دلھن صرف ایک دو روز کے لیے جو لہنگا اور عروسی جوڑا زیب تن کرتی ہے وہ بعض اوقات ایک لاکھ سے بھی زائد مالیت کا ہوتا ہے جسے چھ کاریگر ڈھائی تین ماہ کی دیدہ ریزی کے بعد سونے کے تاروں اور موتیوں سے تیار کرتے ہیں۔ سوہا بازار کے ایک کاریگر محمد عالم نے بتایا کہ صرف لاہور میں تین ماہ کے شادی کے سیزن کے دوران ایسے ایک ہزار عروسی جوڑے تیار ہوتے ہیں جن پر تقریباً ۱۵ کروڑ روپے لاگت آتی ہے جہاں تک سونے کے زیورات کا تعلق ہے یہ رقم بھی اربوں میں بنتی ہے آج کل متوسط طبقے کا خاندان بھی کم از کم ۱۰ سے ۲۰ تولے کے زیورات بنانا ضروری سمجھتا ہے اور زیادہ سے زیادہ کی تو کوئی حد ہی نہیں، غریب بھی دو تولے کا کہیں نہ کہیں سے بندوبست کر ہی لیتا ہے عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ سونا مشکل وقت میں کام آتا ہے لیکن ایسی نوبت کم ہی آتی ہے کیونکہ سہاگ کے اس اثاثے کو بیچنا برا شگون سمجھا جاتا ہے۔

(روزنامہ ''جنگ'' سنڈے میگزین، ص: ۸-۹، ۱۶ فروری، ۲۰۰۳ء)



-۷-

پس چہ باید کرد؟

اب ایک مسلمان کی ذمے داری کیا ہے؟

تصویر کے دونوں رخ ملاحظہ فرمانے کے بعد اب قابل غور بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو کیا کرنا چاہیے؟ آیا اسے اسی عام ڈگر پر چلتے رہنا چاہیے جس میں ہر طرح کی فضول رسموں کا ارتکاب اور دولت کا بے پناہ ضیاع ہے اور جو دین و دنیا دونوں کی تباہی و بربادی کا باعث ہے یا اسے اللہ رسول کے احکامات کو سب سے بڑھ کر سمجھتے ہوئے خاندان کے رسم و رواج اور قوم و ملک کے عام چلن کو نظر انداز کرتے ہوئے نکاح اور ولیمے کی تقریبات کا انعقاد سادگی کے ساتھ کرنا چاہیے جس میں دین و دنیا کی سعادت و کامرانی بھی مضمر ہے؟

جنہیں یہ دوسرا یعنی سعادت و کامرانی کا راستہ پسند ہے' ان کی ذمے داری ہے کہ وہ:

- منگنی کو صرف بات چیت کے پکا کرنے تک محدود رکھیں۔ اس موقع پر دونوں خاندانوں کے افراد کو جمع کرنے اور باہم ہدایا و تحائف کے تبادلے سے گریز کریں۔
- مہندی کی رسم' سراسر بے حیائی پر مبنی ہے' اسے بالکلیہ ختم کیا جائے۔
- برات میں خاندان کے صرف ضروری افراد شامل ہوں۔ لمبی چوڑی براتوں کا سلسلہ دونوں خاندانوں کی تباہی کے علاوہ بہت سی فضولیات کے ارتکاب کا باعث ہے۔ مختصر افراد ہوں گے تو بہت سی خرافات سے بچنا آسان ہوگا۔ مثلاً بینڈ باجہ' لڈی بھنگڑہ' ویڈیو

فلم، آتش بازی، چراغاں، لڑکی والوں پر دعوت کا ناروا بوجھ، کسی شادی ہال کی بکنگ وغیرہ یہ سب چیزیں خواہ مخواہ کا بوجھ اور شیطانی کام ہیں، ان سے بچنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔

- برات میں عورتوں کو بالخصوص شریک نہ کیا جائے تاکہ بے پردگی اور بے حیائی کے بڑھتے ہوئے سیلاب پر بند باندھا جاسکے اور لباس، زیورات اور حسن و جمال کی نمائش کے فتنے کا بھی انسداد ہو۔
- جہیز اور بَری کو ختم کرنے کی یا انہیں کم از کم اپنی طاقت کے دائرے میں رکھنے کی کوشش کی جائے۔ موجودہ صورت میں جہیز لڑکی والوں کے لیے اور بَری لڑکے والوں کے لیے ایک عذاب سے کم نہیں۔
- ولیمے میں انواع واقسام کے کھانوں کی بجائے، صرف ون ڈش پر قناعت کی جائے۔
- اسی طرح دیگر رسومات سے اجتناب اور اخراجات کو محدود کیا جائے۔
- لوگوں کی لعنت، ملامت کی پروانہ کی جائے۔ بلکہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کی جائے۔



-۸-

گھریلو ماحول کوخوش گوار رکھنے کے لیے چند رہنما اصول

۱- مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید: فرمان الٰہی ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَيَجْعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾﴾ (النساء٤/ ١٩)

''اور ان (عورتوں) کے ساتھ دستور کے مطابق اچھا برتاؤ کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں (تب بھی انہیں علیحدہ کرنے کی بابت مت سوچو) امید ہے کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو اور اللہ اس میں (تمہارے لیے) بہت بھلائی رکھ دے۔''

نبی ﷺ نے اس بات کو اپنی زبان رسالت سے یوں ادا فرمایا:

«لاَ يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ»

(صحيح مسلم، الرضاع، باب الوصية بالنساء، ح: ١٤٦٧)

''کوئی مومن مرد (شوہر) کسی مومن عورت (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اسے اس کی کوئی عادت ناپسند ہے تو اس کی دوسری عادت پسند بھی ہوگی۔''

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلاَهُ، إِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا»(صحيح مسلم، الرضاع، باب الوصية النساء، ح: ١٤٦٦)

’’عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو' اس لیے کہ عورت کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے' اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اس کا بالائی حصہ ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ بیٹھو گے (لیکن سیدھا نہیں کر سکو گے) اور اگر تم اسے چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھا ہی رہے گا (یعنی عورت کی فطری کجی کبھی ختم نہیں ہوگی' اس لیے اس کو نظر انداز کرتے ہوئے) اس کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔‘‘ (اس کے ساتھ نباہ کرنے کا صرف یہی طریقہ ہے)

رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا:

«خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِي»(جامع الترمذي، المناقب، باب فضل أزواج النبي ﷺ، ح: ٣٨٩٥)

’’تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہے اور میں تم میں سے اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔‘‘

۲- عورتوں کو مردوں کی اطاعت کرنے کا حکم: ارشاد الٰہی ہے:

﴿ ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَآ أَنفَقُوا۟ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ ۚ فَٱلصَّٰلِحَٰتُ قَٰنِتَٰتٌ حَٰفِظَٰتٌ لِّلْغَيْبِ ﴾ (النساء٤/ ٣٤)

’’مرد عورتوں پر حاکم ہیں' بوجہ اس کے جو اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور بوجہ اس کے جو مرد (عورتوں پر) اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ اس لیے نیک عورتیں (اپنے خاوند کی) فرماں بردار ہوتی ہیں اور غیب میں (خاوند کی عزت' نسب' مال اولاد اور رازوں کی اس کی غیر موجودگی میں) حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے خاوند کی اطاعت کی بابت فرمایا:

«إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلٰى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا، لَعَنَتْهَا الْمَلاَئِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ»(صحيح البخاري، بدء الخلق، باب إذا قال أحدكم: آمين والملائكة في السماء فوافقت إحداهما الاخرى . . . الخ، ح: ٣٢٣٧)

''جب مرد اپنی عورت (بیوی) کو اپنے بستر کی طرف (ہم بستری کے لیے) بلائے اور وہ نہ آئے' اور خاوند اس سے ناراضی کی حالت میں رات گزارے' تو صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا:

«لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِغَيْرِ اللهِ، لأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لاَ تُؤَدِّي الْمَرْأَةُ حَقَّ رَبِّهَا حَتّٰى تُؤَدِّيَ حَقَّ زَوْجِهَا وَلَوْ سَأَلَهَا نَفْسَهَا، وَهِيَ عَلٰى قَتَبٍ، لَمْ تَمْنَعْهُ»(سنن ابن ماجه، النكاح، باب حق الزوج على المرأة، ح: ١٨٥٣)

''اگر میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دینے والا ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ اور اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے' عورت اپنے رب کا حق اس وقت تک ادا نہیں کر سکتی جب تک وہ اپنے خاوند کا حق ادا نہیں کرتی۔ اگر خاوند اس کو اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے ایسی حالت میں بلائے جب کہ وہ کجاوے پر ہو (یعنی کہیں جانے کے لیے پابہ رکاب ہو) تب بھی وہ اس کے پاس آنے سے انکار نہ کرے۔''

ایک اور حدیث میں فرمایا:

«إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا، وَصَامَتْ شَهْرَهَا، وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا، وَأَطَاعَتْ زَوْجَهَا، قِيلَ لَهَا: ادْخُلِي الْجَنَّةَ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتِ»(مسند أحمد: ١/ ١٩١، ح: ١٦٦١)

''جب عورت پانچ وقت کی نمازیں پڑھے' رمضان المبارک کے روزے رکھے' اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے' تو اسے کہا جائے گا کہ جنت کے دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے' جنت میں داخل ہوجائے۔''

جو خاوند اور بیوی مذکورہ آیات واحادیث کو اپنے کردار وعمل کی بنیاد بنائیں گے' امید ہے کہ ان کی گھریلو زندگی نہایت پرسکون اور خوش گوار ہوگی۔ ان کے گھر تلخیوں' کشیدگیوں اور ذہنی تناؤ سے محفوظ رہیں گے اور نکاح کی غرض وغایت اور اس کے مقصد سے وہ ہمکنار ہوں گے۔ وہ مقصد کیا ہے؟ وہ قرآن کے الفاظ میں ہے:

﴿ وَمِنْ ءَايَـٰتِهِۦٓ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا لِّتَسْكُنُوٓا۟ إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ﴾ (الروم ٣٠/ ٢١)

''اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہارے ہی نفسوں سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت ومہر پیدا کردی۔''

مذکورہ آیات واحادیث پر عمل پیرا ہونے سے یہ مقصد قرآنی حاصل ہوسکتا ہے' ورنہ مال ودولت سے آرام وراحت کو خریدا جاسکتا ہے' نہ نسل ونسب کی پوجا سے اسے حاصل کیا جاسکتا ہے' نہ جاہ ومنصب اس کی ضمانت ہے اور نہ حسن وجمال کی فراوانی اس کا حل ہے۔ اس سکون کی ضمانت اور اس پریشانی کا حل صرف اور صرف ایک ہے' اور وہ ہے اللہ ورسول

کی اطاعت اور ان کے سوا سب کی اطاعت کی نفی۔ صرف ایک اللہ کی بندگی اور باقی سب بندگیوں سے انکار، صرف ایک اللہ کا پرستار (حنیفاً مسلماً) بننا، باقی سب پرستشوں سے کلیتًا انحراف اور یکسر علیحدگی اختیار کرنا۔



ازدواجی زندگی کو پرمسرت اور خوشگوار بنانے کے لیے چند نصیحتیں

- میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کی خوبیوں کو ہر وقت سامنے رکھیں اور خامیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کریں' کیونکہ کچھ نہ کچھ خامی ہر انسان میں ہوتی ہے' اسی طرح کچھ نہ کچھ خوبیاں بھی ہر ایک میں ہوتی ہیں۔ اگر نظر خوبیوں پر رہے تو خامیوں کو نظر انداز کرنا آسان ہو جاتا ہے۔
- خود بینی اور خود پرستی سے احتراز کریں' اس کے برعکس دوسرے کی خوبیوں کی تعریف کریں اور انہیں سراہیں۔
- دونوں بہ یک وقت غصے کا مظاہرہ نہ کریں۔ ایک فریق ہر صورت میں تحمل اور برداشت سے کام لے۔ مرد کو خاص طور پر زیادہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور صنف نازک کو صنف نازک ہی سمجھے' اسے اپنی شفقت' پیار اور محبت کا مستحق ہی سمجھے' اسے اپنا حریف اور مقابل ہرگز نہ سمجھے۔
- تخلیہ ہو یا مجلس' ایک دوسرے کے خلاف جلی کٹی نہ کہیں۔
- ایک دوسرے سے تیز گفتاری اور سختی سے پیش نہ آئیں۔ بلکہ نرم گفتاری اور نرمی کو معمول بنائیں۔
- ایک دوسرے کی بات ماننے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔

- ایک دوسرے کے لیے ایثار و قربانی کو معمول بنایا جائے۔
- نکتہ چینی یا بدخوئی اور خوردہ گیری سے اجتناب کیا جائے۔ اگر کبھی اس کی ضرورت پیش آ ہی جائے، تو نہایت حکمت اور شیریں الفاظ میں اس کا اظہار کیا جائے۔
- پچھلی غلطیاں دہرائی جائیں نہ وہ یاد دلائی جائیں، بلکہ ان کو فراموش کر دیا جائے۔
- ہر فریق دوسرے کی جائز خواہش اور فطری جذبات کا احترام کرے، انہیں مجروح نہ کرے۔
- ایک دوسرے کو کبھی نظر انداز نہ کریں، بلکہ زیادہ سے زیادہ اپنائیت کا اظہار کریں۔
- ایک دوسرے کی غیر موجودگی میں باہمی رازوں اور مشترکہ چیزوں کی حفاظت کریں۔
- ایک دوسرے کو ہر حال میں خندہ پیشانی سے ملیں۔
- بڑھ چڑھ کر ایک دوسرے کی خدمت کریں۔ ایک، دوسرے کو خادم اور اپنے آپ کو مخدوم نہ سمجھے، بلکہ گھر کا نظام باہمی تعاون سے چلائیں۔
- کوئی ناراضی والی بات ہو جائے، تو اسے بڑھنے نہ دیں بلکہ اولیں فرصت میں اسے ختم کر لیا جائے، چنگاری کو شعلہ بنتے دیر نہیں لگتی۔ عقل مندی یہی ہے کہ چنگاری کو شعلہ نہ بننے دیا جائے، ورنہ ہنستا بستا گھر اجڑ سکتا ہے، ایک خوش نما باغ خزاں میں تبدیل ہو سکتا ہے اور ایک نعمت کدہ جہنم کدہ بن سکتا ہے۔
- مرد بالا دست، قوام اور زیادہ قوت و ہمت والا ہے، اس لیے اسے عورت کے مقابلے میں زیادہ بردباری، صبر اور قوت برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ وہ عورت کی کمزوری اور فطری کجی کو حکمت اور صبر سے برداشت کرے۔ اسے بالکل سیدھا کرنے کے چکر یا زعم میں نہ پڑے، ورنہ وہ اسے سیدھا کرتے کرتے اپنا گھر اجاڑ لے گا۔
- گھر میں آنے والے مہمان کا تعلق بیوی کے خاندان سے ہو یا شوہر کے خاندان

سے۔ بہ حیثیت مہمان کے، اپنی طاقت کے مطابق اس کی مہمان نوازی کی جائے۔ مہمان نوازی میں اپنے خاندان کے فرد کو تو اپنا سمجھا جائے اور دوسرے کو غیر۔ یہ تفریق بھی باہم بغض وعناد اور دلوں میں کدورت کا باعث بنتی ہے۔ اس سے اجتناب کیا جائے۔

- عُسر ہو یا یُسر (تنگ دستی ہو یا خوش حالی) دونوں حالتوں میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور پورے خلوص سے عہد وفا نبھائیں۔
- دونوں اپنی خواہشات اور جذبات کے مقابلے میں اللہ رسول کے احکام کو فوقیت اور ترجیح دیں۔
- گھر میں اور گھر سے باہر شرعی پابندی کا اہتمام کریں۔
- ساس، آنے والی بہو کو اپنی بیٹی سمجھے، بیٹی کی طرح اس سے پیار کرے اور بیٹی کی طرح ہی اس سے سارا معاملہ کرے۔ بہو اپنی ساس کو ماں سمجھے، ماں کی طرح اس کا ادب و احترام کرے اور بیٹی بن کر گھر کے کام کاج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے۔ عورت کی عزت کام کاج ہی میں ہے نہ کہ شہزادی بن کر اٹوانٹی کھٹوانٹی لے کر پڑ رہنے میں۔
- نندیں (خاوند کی بہنیں) بھی بھابھی کو بہن سمجھیں اور بہنوں کی طرح اس سے معاملہ کریں۔ گھر کے سارے کام باہم مل کر کریں، آنے والی دلہن پر ہی سارا بوجھ نہ ڈال دیں۔ ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ گھر کا سکون باہم پیار محبت میں ہے، نہ کہ باہم رقابت اور لگائی بجھائی میں۔
- زبان کی حفاظت کریں اور پہلے "تولیں، پھر بولیں" کے مقولے کو ہر وقت سامنے رکھیں۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ تلوار کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں، لیکن زبان کے زخم نہایت خطرناک ہوتے ہیں۔ یہ پہلے دل کو گھائل کرتے ہیں اور پھر گھر کی بربادی اور

اولاد کی تباہی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

❀ مرد نہایت غصے اور کشیدگی کے عالم میں بھی طلاق کا لفظ کبھی زبان پر نہ لائے۔ اور اسی طرح عورت بھی خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے نہ طلاق لینے والا رویہ ہی اختیار کرے۔ دونوں ہر حالت میں عقد نکاح کو نبھانے کی کوشش کریں۔

❀ خاص طور پر صاحبِ اولاد ہونے کی صورت میں کبھی ایک دوسرے سے علیحدگی کا نہ سوچیں۔ علیحدگی کی صورت میں دونوں کا گھر ہی نہیں اجڑے گا' اولاد کا مستقبل بھی برباد ہو جائے گا۔ ان غنچوں کو بن کھلے ہی نہ مرجھا دیں' بلکہ دونوں مل کر ان کی حفاظت اور تربیت کریں تاکہ وہ ثمر دار درخت بن کر ان کے لیے گھنی چھاؤں کا کام بھی دیں اور ان کے لیے عصائے پیری بھی بنیں۔



-۱۰-

شادی سے متعلق چند ضروری مسنون دعائیں

۱- شادی کرنے والے کے لیے دعا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو اس کی شادی کی مبارکباد دیتے تو فرماتے:

«بَارَكَ اللهُ لَكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ»(سنن أبي داود، النكاح، باب ما يقال للمتزوج، ح: ۲۱۳۰)

’’اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے اور تم پر اپنی برکت فرمائے اور تم دونوں کو خیر کے ساتھ اکٹھا رکھے۔‘‘

۲- شادی کرنے اور سواری خریدنے والا یہ دعا پڑھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص شادی کرے یا خادمہ (لونڈی) خریدے تو اسے یہ دعا کرنی چاہیے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ»(سنن أبي داود، النكاح، باب في جامع النكاح، ح: ۲۱۶۰)

’’اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں تجھ سے اس کی بھلائی کا اور اس چیز کی بھلائی کا جس پر تو نے اس کو پیدا کیا اور میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس کے شر سے اور اس چیز کے شر سے جس پر تو نے اسے پیدا کیا۔‘‘

(اور جب اونٹ خریدے تو اس کی کوہان کی چوٹی پکڑے، پھر یہی دعا پڑھے۔)

۳- بیوی کے پاس آنے سے پہلے کی دعا: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر کوئی آدمی اپنی بیوی سے مباشرت کے لیے آئے تو وہ یہ دعا پڑھے:

«بِسْمِ اللهِ، اَللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا»(صحيح البخاري، الدعوات، باب ما يقول إذا أتى أهله، ح: ٦٣٨٨)

''اللہ کے نام کے ساتھ' الٰہی! ہمیں بچا شیطان (مردود) سے اور بچا شیطان سے (اس اولاد کو بھی) جو تو ہمیں عطا فرمائے۔''

اگر اس مباشرت کے نتیجے میں ان کے لیے بچہ مقدر ہو گا' تو شیطان کبھی اس کا کچھ بگاڑ نہ سکے گا (اور ہمیشہ شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا۔)



-۱۱-

رخصتی کے موقع پر
ایک دین دار ماں کا پیغام' اپنی بیٹی کے نام

ہجومِ رنگ و بو ہے' اہتمام شادمانی ہے
بہ ہر سو انجمن میں رقصِ جامِ شادمانی ہے
منور ہیں در و دیوار' شامِ شادمانی ہے
نگارِ زندگی کا آج ہر جلوہ نرالا ہے
زمانے کی نگاہوں میں اجالا ہی اجالا ہے
مسرت کی ہے دارائی' خوشی کا بول بالا ہے

مگر میرا جو عالم ہے وہ میرا دل ہی جانے ہے
ہزار اس کو میں سمجھاتی ہوں لیکن اک نہ مانے ہے
نہ جی ہے اپنا قابو میں' نہ ہوش اپنا ٹھکانے ہے
کہ میرے گھر سے مری رونق ِ کاشانہ جاتی ہے
سنا کر مجھ کو اپنے درد کا افسانہ جاتی ہے
دلھن بن کر مری بیٹی مری فرزانہ جاتی ہے

یہ موقع حسن و الفت کے لیے ہے آشنائی کا
تبسم کا' تکلم کا' نمودِ خوش ادائی کا
دلِ مادر کو سہنا ہے مگر صدمہ جدائی کا

مری بیٹی تو میری لختِ دل، آنکھوں کا تارا ہے
مری تاب و تواں ہے تو، مرے دل کا سہارا ہے
تری رخصت بھلا کس طرح مجھ کو گوارا ہے

تو اک معصوم بچی تھی، تو اک تصویرِ رعنا تھی
نگاہِ شوق تیری ناشناسِ بزمِ دنیا تھی
ابھی یہ بات ہے کل کی تو اک ننھی سی گڑیا تھی

مرے آنگن میں کل تو مسکرائی تھی کلی بن کر
تو آئی تھی مرے گلزارِ جاں میں سرخوشی بن کر
مجھے تو نے ہنسایا تھا بہارِ زندگی بن کر

مگر یہ دن بھی آ پہنچا، تجھے اس گھر سے جانا ہے
وہ ہے اک اور ہی دنیا جسے تجھ کو بسانا ہے
تجھے اپنے رفیقِ زندگی کا گھر سجانا ہے

کلیجے سے لگایا تھا، تجھے جھولا جھلایا تھا
تجھے چلنا سکھایا، گفتگو کرنا بتایا تھا
اسی دن کے لیے میں نے ترا ہر ناز اٹھایا تھا

تجھے رکھا حفاظت سے، امانت جان کر میں نے
محبت اور شفقت دی، تجھے شام و سحر میں نے
اسی دن کے لیے سب کچھ کیا نورِ نظر میں نے

خدا کا شکر ہے میری تمنا آج بر آئی
تری شادی کی تقریبِ حسیں مجھ کو نظر آئی
جہاں ملتے ہیں دو دل وہ مبارک رہگذر آئی

سفینے کو ترے آسائشِ ساحل مبارک ہو
نئی دنیا' نیا عالم' نئی محفل مبارک ہو
شریکِ جاں مبارک ہو' شریکِ دل مبارک ہو

سبکدوشِ فرائض ہوں' خدا کا مجھ پر احساں ہے
وہ اشکِ شادمانی ہے جو پلکوں پر فروزاں ہے
نہ تو مغموم ہو بیٹی کہ میرا قلب شاداں ہے

تجھے ابا دعائیں دے رہے ہیں شادمانی کی
برادر پیش کرتے ہیں تمنا کامرانی کی
بہن بھی چاہتی ہے خیر تیری زندگانی کی

مری بیٹی! خدا تجھ کو فلاحِ دین و دنیا دے
سجائے زیورِ حق سے لباسِ زہد و تقویٰ دے

ترے شوہر کا دل تیری حسیں سیرت پہ نازاں ہو
تری فرزانگی سب کے لیے سرمایۂ جاں ہو
تری موجودگی سے گھر ترا رشک گلستاں ہو

نہ سج دھج کی تمنا ہو' نہ شوقِ زیب و زینت ہو
میسر تجھ کو خاتونِ جناں کی پاک خصلت ہو
نظر میں تیری ہر دم عائشہ کا حُسنِ سیرت ہو

تیرے کانوں میں گونجے نغمۂ آیات قرآنی
نقوشِ سجدہ سے روشن ہو مثل ماہ پیشانی
فروزاں ہو ترے دل میں ہمیشہ شمعِ ایمانی

ہمیشہ دھیان رکھنا اپنے شوہر کی اطاعت کا
نہ چھوٹے ہاتھ سے دامن کبھی مہر و محبت کا
یہی باعث خوشی کا ہے یہی ضامن مسرت کا
خوشی تجھ کو میسر ہو تو دل خوش کام ہے میرا
بوقت رخصت اے بیٹی! یہی پیغام ہے میرا

نتیجۂ فکر، ایم اے حفیظ بنارسی (بھارت)

(بشکریہ ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور)





مسنون نکاح

اور

شادی بیاہ کی رسومات

مرد اور عورت کے درمیان نکاح انسانی فطرت اور اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے جو نہ صرف انبیاء کی مستقل سنت رہا ہے بلکہ کسی فرد کے ایمان و اخلاق کے تحفظ کی مؤثر سبیل بھی ہے۔ نکاح انسان کی جنسی جبلت کی تطہیر اور تزکیہ کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ نیز اس سے نسل انسانی کے فروغ اور تسلسل کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

اسلامی معاشرت میں نکاح جس قدر سادہ اور پاکیزہ تقریب تھی، امتداد زمانہ کے ساتھ یہ اسی قدر تکلفات سے بھرپور اور بداخلاقی کا گہوارہ بنتی چلی گئی ہے۔ اسلام میں نکاح کے متعلق کیا ہی عمدہ احکامات اور تعلیمات ہیں لیکن ہم نے اپنی جہالت، جذبۂ نمائش دولت اور رسوم و رواج کی پرستش کے باعث اس کی شکل بگاڑ دی ہے۔

اس موضوع پر معروف عالم دین اور محقق شہیر حافظ صلاح الدین یوسف ﷾ نے مختلف اوقات میں جو مضامین لکھے یا استفسارات کے جواب تحریر کیے، انہیں اب ایک خاص علمی ترتیب سے اس کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔

ان مضامین کا مطالعہ جہاں ایک طرف ہمیں سنت کے مطابق شادی اور نکاح کے مسائل سے آگاہ کرے گا وہاں ہمیں اس معاشرتی ناسور اور جاہلانہ رسوم سے چھٹکارے کا راستہ بھی دکھائے گا۔

اس اعتبار سے یہ کتاب معاشرے کے ہر فرد کی ضرورت اور اہل حکومت کی بے حسی پر ایک تازیانہ ہے۔ اس درجہ مفید کتاب کا خود بھی مطالعہ کرنا چاہیے اور اسے دوسروں کو بھی اصلاح کے لیے پیش کرنا چاہیے۔

دارالسلام جو دعوت دین کے طباعتی محاذ پر سرگرم عمل ہے، اس مختصر مگر مفید کتاب کے ذریعے معاشرتی جہاد میں شامل ہو گیا ہے۔ آئیے آپ بھی اس کار خیر میں شریک ہو جائیے۔



دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض • جدہ • شارجہ • لاهور
لندن • هیوسٹن • نیو یارک

ISBN 969574086-3

